© rasailojaraid.com

خدا بخش، اچھرہ۔ لاہور

یادگارِ اسلاف

سوانح عمری

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

ولادت اور خاندان

پنجاب سے سکھوں کی حکومت ختم ہو چکی تھی مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پنجاب ہی سے نہیں بلکہ ہند سے باہر، دور انگلستان بھیج دیا گیا تھا۔ تمام سکھ گھرانوں پر غم کے بادل چھا گئے۔ اس لحاظ سے تو سال ۱۲۸۹ ہجری محرم کے مہینے کی ۱۲۔ تاریخ تھی، لیکن ہند میں ایک انقلابی تحریک کے ایک خاص دور کی ابتدا کرنے کے لیے گویا موسم بہار کا آغاز تھا۔ یعنی سال ۱۸۷۲ء مارچ کی ۱۰۔ تاریخ تھی۔ جمعہ کے مبارک دن کی پو پھٹنے والی تھی کہ چیاں والی گاؤں پولیس تھانہ پسرور ضلع سیالکوٹ کے ایک غمگین سکھ گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام بوٹا سنگھ رکھا گیا۔ حکومت تو جا ہی چکی تھی، پیدائش سے چار مہینے پہلے باپ سردار رام سنگھ بھی فوت ہو گئے تھے وہاں دادا "جسپت رائے"، "گلاب رائے" کے بیٹے زندہ تھے۔

نانا ایک کٹر سکھ تھا۔ چناں چہ رام سنگھ کو جو پہلے سناتن دھرم کے پیرو تھے سمجھایا کہ کئی بتوں کا خوف دل سے نکال دو۔ اور ایک "اکال پرکھ" (خدا) کو مانو۔ اس سے اس کے سوا کسی سے نہ ڈرو گے، وہ اس بات کو سمجھ گئے اور اپنا نام "رام رائے" کے بجائے "رام سنگھ" رکھوا لیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کا خیال

بوٹا سنگھ کو پیدا ہوئے دو ہی سال گزرے تھے کہ دادا بھی چل بسے۔ ماں اس نونہال کو اس کے ننھیال لے آئی۔ دو بیٹیاں بیاہی ہوئی تھیں، کبھی کبھی ان سے ملنے کے لیے سیالکوٹ میں بھی چلی جاتی۔ جب نانا بھی فوت ہو گئے تو جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں دونوں ماں بیٹیا چلے گئے۔ وہاں دو ماموں پٹواری تھے۔ بڑے کا نام بڈھا سنگھ چھوٹے کا نام لدھا سنگھ تھا۔ بڈھا سنگھ کا بیٹا برادر منگل سنگھ ملازمت سے ریٹائر ہو کر راوی روڈ لاہور میں مقیم ہو گیا۔ دونوں خاندانوں کے بعض افراد جہاں سرکاری ملازمت اختیار کر چکے تھے، وہاں بعض پیشہ زرگری میں مصروف تھے اور بعض ساہوکارہ بھی کرتے تھے۔ حکومت میں داخل ہونے کی وجہ سے حکومت کرنے کا خیال ذہنوں میں خوب سما گیا تھا۔ چناں چہ شکست کھانے کے بعد بھی اس خیال میں محو تھے نہ پنجاب کی حکومت دوبارہ حاصل کر کے سکھ ہی حاکم ہوں۔ چناں چہ ذہنی غلامی کو ابھی پاس نہیں پھٹکنے دیتے تھے اور ذلت کے خیالات سے کوسوں دور بھاگتے تھے فوجی سکھ کسی دوسرے سکھ ملازم سے ملتا تو انگریز حکومت کی کوئی وقعت ہی نہ سمجھتا وہ اپنی ہی حکومت سمجھتا۔ سکھ سپاہی اپنے سکھ پٹواری کے گھر کی ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا اور اسی طرح پٹواری سکھ اپنے سکھ سپاہی کی طاقت کو اپنی طاقت خیال کرتا، چناں چہ چھوٹے ماموں یہی کہا کرتے کہ "یہ انگریز کیا ہیں زمینداروں کے پاس جو روپیہ ہوتا ہے وہ تو ہم اینٹھ لیتے ہیں۔" چناں چہ ان کی فضول خرچی حد سے زیادہ تھی جس کی وجہ سے یہ امیر گھرانا کبھی کبھی تکلیف میں مبتلا بھی ہو جاتا۔

بڑے ماموں کا یہ قصہ تھا کہ ایک دفعہ سفر کر رہے ہیں۔ ڈیرہ غازی خان سے نمک لے جانے کی ممانعت تھی۔ چوکی پر تلاشی کے لیے کہا گیا۔ بڑی خفگی میں سارا سامان نیچے پھینک دیا اور کہا لے لو۔ رات کا وقت تھا۔ تلاشی لینے والا چپ چاپ واپس چلا گیا۔

ان دنوں لاہور سے ہفتہ وار اخبار "آفتاب" نکلتا تھا۔ اس میں پڑھا کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پنجاب واپس آنے کی اجازت مل گئی ہے اس گھر میں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ گویا عید آ گئی۔ ہفتہ بھر خوشی منائی۔ دوسرے ہفتے خبر آئی کہ مہاراجہ کو عدن سے واپس کر دیا ہے۔ گھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ سب غمگین نظر آنے لگے۔

مدرسے میں داخلہ

ان حالات اور ان خیالات میں پرورش پانے والا بوٹا سنگھ کو ۱۸۷۸ء میں جام پور کے ورنیکلر مڈل اسکول میں داخل کیا گیا۔ چھ سال کی عمر تھی لیکن ذہن میں یہی بات سمائی ہوئی کہ "پنجاب ہمارا ملک ہے۔ انگریز کو یہاں رہنے کا کوئی حق نہیں" ہمارے مقابلے میں ہر قوم ہیچ ہے اسکول کا کوئی طالب علم اسے گالی نہیں دے سکتا تھا۔ ویسے وہ سب کا دوست تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ اسکول میں ماسٹر صاحب صبح حاضری لے رہے تھے کہ بوٹا سنگھ کے ماموں آنکلے، ماسٹر نے لڑکے کا نام ادھورا پکارا۔ ماموں نے واپس گھر پہنچتے ہی ماسٹر صاحب کے حاضری لینے کے طریق کے خلاف انسپکٹر مدارس کو چٹھی لکھی کہ کیا ہم اپنے بچوں کو اس لیے اسکول بھیجتے ہیں کہ ان کی بے عزتی کی جائے اور انھیں ذلیل سمجھا جائے۔ انسپکٹر نے ہیڈ ماسٹر کو لکھا۔ ہیڈ ماسٹر نے ماسٹر صاحب کو فہمائش کی اور انھوں نے بوٹا سنگھ سے معذرت کی۔

اس ہونہار بچے میں خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنے بزرگ مردوں کا حکم پوری طرح مانتا تھا۔ ہیڈ ماسٹر یا ماموں جو کام کہتے اسے کرکے آتا۔ ماموں اسے تب ہی اور کسی کام کو کہتے جب یہ ڈر ہوتا کہ یہ کام کوئی نوکر نہ کر سکے گا، بلکہ بگاڑ دے گا، ہیڈ ماسٹر کو علم تھا بلکہ یقین تھا کہ یہ بچہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ چناں چہ اس کی گواہی کو ہمیشہ قابل اعتبار سمجھتا۔ عورتوں میں سے صرف ماں کے حکم کی پوری تعمیل کرتا۔ دوسری کسی عورت کو کبھی جرأت نہ ہوتی کہ اس سے کسی بات کے متعلق باز پرس کرے۔

رجحانِ طبع

مدرسے میں "ریاضی" کے مضمون سے اول درجہ پر دلچسپی تھی۔ چناں چہ کسی سوال کو حل کیے بغیر نہ چھوڑتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات ایک سوال کو حل کرنے میں کافی دیر لگتی، لیکن جب تک وہ حل نہ ہو جاتا طبیعت کو اطمینان حاصل نہ ہوتا۔ اردو اور پنجابی میں قصے کہانیوں کی کتابیں بھی گھر آتی رہتیں۔ ان کے پڑھنے [illegible] "تاریخ" سے انس ہوگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چناں چہ ریاضی اور تاریخ سے طبیعت کو زیادہ لگاؤ ہوتا گیا اور چوٹی کے طلبہ میں شمار ہونے لگا۔ دو سال کے لیے ضلع سیالکوٹ میں جانا پڑا۔ چناں چہ ایک سال یونہی ضائع ہوگیا۔ واپس آکر چھٹی جماعت سے ساتویں میں ترقی پائی۔ گھر میں بڑے ماموں جس قدر مذہب کے شیدا تھے، چھوٹے اسی قدر مذہب سے آزاد تھے۔ دونوں کی صحبت کا اثر اس بچے پر پڑتا تھا۔ نہ زیادہ پابندی نہ بالکل بے رغبتی۔ بڑا مذہبی جلسوں میں لے جاتا اور چھوٹا تفریحی محفلوں میں بٹھاتا۔

اسلام کا مطالعہ

۱۸۸۴ء میں مدرسہ کے ایک آریہ سماجی طالب علم نے تحفۃ الہند کتاب دکھائی۔ بوٹا سنگھ نے اس کا باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا۔ اپنے مذہب کا اندھا دھند پیرو تو تھا نہیں، اس کتاب کی صحیح باتیں ذہن میں بیٹھ کر دل میں اترتی گئیں۔ جب اس حصہ پر پہنچا جس میں نو مسلموں کا ذکر ہے تو پھڑک اٹھا اور تڑپ اٹھا پاس ہی کوٹلہ مغلاں میں پرائمری اسکول تھا اس کے چند ہندو طالب علم دوست بن گئے وہ بھی تحفۃ الہند پڑھتے اور اس کی تعریف کرتے ان کے ذریعے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان مل گئی اسے پڑھا تو اسلامی توحید اور ہر ایک شرک میں نمایاں فرق سمجھ میں آنے لگا۔ مولانا شہید سے ذاتی محبت رکھنے لگے اس کے بعد پنجابی میں مولوی محمد صاحبؒ لکھوی کی کتاب احوال الآخرۃ ایک دوست سے ملی۔ اسے پڑھا اور بار بار پڑھا۔ انھی دنوں نماز بھی سیکھ لی۔ تحفۃ الہند اور اس کتاب نے آنکھیں کھول دیں۔ نہیں نہیں آنکھیں تو پہلے ہی کھلی تھیں۔ ان دونوں کتابوں نے انھیں حقیقت بین بنا دیا۔ پہلے پنجاب میں سکھ حکومت کے قائم کرنے کا سودا دماغ میں سمایا ہوا تھا۔ اب ساری "دنیا میں اسلام کی انصاف بھری حکومت" کے دوبارہ قیام کی فکر دامن گیر ہوئی۔ پہلی حالت میں اپنے آپ کو کوئیں کا مینڈک جانا۔ پہلے پنجاب کا ہنگ تھا، لیکن اب اپنے آپ کو "ہنگ بحر و بر" سمجھنے لگا۔ چناں چہ خوب غلطاں و پیچاں ہوا۔

وجہِ تسمیہ

ترقی کرنے والے انقلابی ذہن کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ ہر صحیح بات کو فوراً قبول کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے اور غلط بات کو چھوڑتا جائے، خواہ وہ دل و دماغ میں کتنی ہی پختہ ہو چکی ہو۔ بوٹا سنگھ نے خیال کیا کہ جس کتاب نے سب سے پہلے میرے دماغ میں انقلاب پیدا کیا اس کے مصنف کے نام پر اپنا نام کیوں نہ رکھوں؟ چناں چہ تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر اپنا نام عبید اللہ تجویز کیا۔ اس وقت اسے علم نہ تھا کہ وہ ایک وقت "ولی اللہی انقلابی تحریک" کے تیسرے دور کا امام ہوگا۔

ترکِ وطن

سولہ برس کی عمر میں آٹھویں جماعت کے امتحان میں شریک ہونے والا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ آئندہ سال جب ہائی اسکول سے جاؤں گا تو اپنے اسلام کا اظہار کروں گا۔ لیکن جب غلط سمجھ کر پردہ آنکھوں سے اٹھ جاتا ہے تو ایک سچے انقلابی کے لیے طبیعت اور رسم کے پردوں کو چاک کرنا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ چناں چہ صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ۱۵۔ اگست ۱۸۸۷ء مطابق ذی قعدہ ۱۳۰۱ھ جمعہ کے دن "سورج گرہن" تھا۔ عزیز و اقارب کی محبت کو اسلام پر قربان کیا اور صرف خدا پر بھروسا کر کے گھر سے نکلا۔ کوٹلہ مغلاں کا ایک رفیق عبدالقادر عربی مدرسے کے ایک طالب علم کے ہمراہ "کوٹلہ رحم شاہ" ضلع مظفر گڑھ میں پہنچا۔ وہاں ایک سید صاحب کے مہمان ٹھہرے۔

انسانیت کے وسیع مذہب کو قبول کیا، خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کیا۔ بوٹا سنگھ سے عبید اللہ نام ہوا اور تحریر میں حضرت سلیمانؓ فارسی کی پیروی کرتے ہوئے عبید اللہ بن اسلام لکھنا شروع کیا۔ عربی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی، ایک سال تو بہت معمولی استادوں سے صرف نحو پڑھنے میں صرف کیا یہ استاد مسائل پر غور کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوتا طالب علم کو وہی یاد کرانا اپنا مقصد سمجھتے تھے۔ آپ تھوڑی دیر میں یاد کر کے سنا دیتے تھے لیکن استاد مجبور کرتے کہ اس یاد کیے ہوئے سبق کو سو دفعہ دہراؤ۔ آپ ان کا حکم تو مانتے لیکن اس طریقے سے دل میں نفرت پیدا ہوتی گئی۔ ماں کی مامتا نے جوش مارا اور رشتہ داروں کو بیٹے کی تلاش میں روانہ کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سندھ میں داخلہ

رشتہ داروں کے تعاقب کی خبر پاکر سندھ کا رخ کیا۔ راستے میں اس طالب علم سے عربی صرف کی کتابیں پڑھتے رہے۔ جس طرح ابتدا میں خدا نے اپنی خاص رحمت سے اسلام کے سمجھنے میں آسانی پیدا کر دی تھی۔ اسی طرح کی خاص رحمت نے جو رہنمائی کی تو چلتے چلتے سندھ میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈوی کی خدمت میں پہنچ گئے۔ وہ اپنے وقت کے جید ولی اور سید العارفین یعنی اللہ والوں کے سردار تھے۔ ان کے دستِ مبارک پر صفر ۱۳۰۵ھ کو اسلام کا اظہار کر کے قادری راشدی طریقے پر بیعت کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کسی بڑے سے بڑے انسان کے رعب میں نہ آتے۔ اسلام کی بود و باش کے طور طریقے طبیعت میں اس طرح رچ گئے جس طرح ایک پیدائشی صحیح مسلمان میں راسخ ہوتے ہیں۔ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ سے یہاں لوگ مانوس تھے۔ اس لیے انھیں یہاں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ نماز، روزہ وغیرہ کا طریق یہاں وہی تھے جو ان کے مرشدوں نے انھیں بتائے ہوئے تھے۔ اس کی پابندی میں کچھ تکلف ہوتا تھا، لیکن وہ ناقابل برداشت نہ تھا۔

آپ کیسے سندھی بنے

ایک دن دوستوں کی مجلس میں مولانا ابوالحسن تاج محمود صاحب امروٹی سید العارفین کے خلیفہ، دوم بھی غالباً تشریف فرما تھے۔ حضرت نے فرمایا "عبیداللہ نے اللہ کے لیے اپنا ماں باپ چھوڑا ہے۔ اب اس کے ماں باپ ہم ہیں" اس مبارک کلمہ کا خاص اثر آپؒ کے دل میں محفوظ رہا اور حضرت کو اپنا دینی باپ سمجھتے رہے اور صرف یہی وجہ تھی کہ آخر سندھ کو اپنا مستقل وطن بنایا۔

علم کی تحصیل کا شوق

تین چار ماہ کی صحبت کے بعد طالبِ علمی کے لیے جو رخصت ہوئے تو حضرت نے آپ کے لیے خاص دعا فرمائی کہ خدا کرے عبیداللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے۔ خدا نے یہ دعا قبول فرمائی، چناں چہ بالآخر اپنے فضل سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدمت میں پہنچایا۔

بہاول پور میں ورود

بھرچونڈی سے رخصت ہوئے تو وہ عربی مدرسے کا طالب علم ہمراہ تھا۔ دونوں ریاست بہاول پور میں داخل ہوئے کہ شمالی سندھ سے شروع ہو کر ملتان تک دیہات کی مسجدوں میں عربی مدرسے قائم ہیں۔ انھیں میں ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھتے رہے اور منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ دین پور متصل خان پور پہنچے، جہاں سید العارفین خلیفہ اول مولانا ابو السراج غلام محمدؒ تھے۔ مولوی عبدالقادرؒ سے ہدایۃ النحو تک کتابیں پڑھیں۔ حضرت خلیفہ صاحب نے آپ کی والدہ کو خط لکھوایا چناں چہ وہ پہنچ گئیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو واپس لے جانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ اسلام کی انقلابی تعلیم سے ایسے متاثر ہو چکے تھے کہ اب کسی غیر انقلابی سوسائٹی میں جانا ناممکن تھا۔ ماں سے یقیناً محبت تھی لیکن وہ خدا اور اس کے دین کی محبت پر غالب نہ آسکی، مجبور کر کے ریل گاڑی میں سوار تو کر لیا، لیکن اسلام نے اپنا چنگل دل پر ایسا مارا ہوا تھا کہ چند اسٹیشن کے بعد نظر بچا کر گاڑی سے اتر پڑے اور واپس لوٹ کر پھر دین پوری خلیفہ کی صحبت جا اختیار کی، ماں کو اگلے اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ بچہ غائب ہے وہ بھی اتر کر واپس دین پور آگئی۔ بہت مجبور کیا لیکن یہ ثابت قدم رہے نہ لوٹے پر نہ لوٹے۔ کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد ضلع مظفر گڑھ کے اسی کوٹلہ رحم شاہ میں چلے گئے، جہاں گھر سے نکل کر پہلی مرتبہ پہنچے تھے۔ وہاں مولوی خدا بخشؒ نامی ایک استاد سے کافیہ ابن حاجب پڑھی۔

دیوبند کو روانگی

ایک دن ہندوستانی مدرسوں کا جو ذکر چھڑا تو ایک طالب علم نے جسے منطق سے خاص دل چسپی تھی، کان پور، رام پور، جون پور کے مدرسوں میں سے کان پور کے مدرسے کو ترجیح دی۔ کیوں کہ اس کے استاد مولانا احمد حسن کان پوری کے شاگرد تھے۔ آپ ا آپ کے گھر سے واقف لوگ قرب و جوار میں رہتے تھے۔ انھیں معلوم ہوا کہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا چاہتے ہیں، تو انھوں نے زادِ سفر مہیا کر دیا۔ مظفر گڑھ ریلوے اسٹیشن سے سوار ہوئے،

©rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیر شاہ اسٹیشن پر پہنچے تو ایک ہندوستانی نوجوان سے ملاقات ہوئی اس کا دیوبند سے تعلق تھا۔ چناں چہ اس نے مشورہ دیا کہ دیوبند راستہ میں ہے۔ اتر کر اسے بھی دیکھتے جائیں یہ بات پسند آئی۔ ۱۳۰۶ھ صفر کا مہینہ وہی جمعہ کا مبارک دن تھا کہ سیدھے دیوبند پہنچے۔ مدرسہ میں داخل ہوئے تو طالبِ علمی کا جو بوجھ دماغ پر تھا کچھ ہلکا ہوا۔

بھرچونڈی سندھ میں آپ کے مرشد سید العارفین حنفی تھے، اس نسبت سے آپ پر حنفیت غالب آئی۔ لیکن وہیں ہمسائگی میں اہل حدیث کی ایک جماعت رہتی تھی جو رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر کہتے لیکن سید العارفین سے بھی تعلق رکھتے۔ چناں چہ ان کی مسجد میں آتے جاتے خدا کو ایک مانتے تھے۔ شرک سے بیزار تھے۔ بدعت سے بدکتے تھے، فقہ حنفی کے ساتھ دوسرے فقہا کی فقہ کو بھی مانتے تھے۔ لیکن صوفیوں کے طریقوں سے دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ چوں کہ سید العارفینؒ کی مسجد میں آتے جاتے تھے اس لیے آپ کی بھی ان سے راہ و رسم تھی۔ اس راہ و رسم اور اشتراک کی وجہ یہ تھی کہ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کو وہ بھی تسلیم کرتے تھے اور حضرت سید العارفین کی جماعت بھی مانتی تھی۔ آپ کو بھی تقویۃ الایمان کی وجہ سے مولانا شہیدؒ کے ساتھ شروع ہی سے محبت تھی۔ لہذا مرشد کے طریقے کے مطابق تو حنفی تھے اور مولانا شہیدؒ کے طریقے پر توحید اور اسلام کو سمجھنے والے انقلابی تھے۔ اس لیے وہاں تو حنفی وہابی جھگڑے میں مبتلا ہی نہ ہوئے، لیکن دوسرے عام مدرسوں میں مولانا شہیدؒ کے خلاف ایک جماعت ضرور پائی جاتی اور حنفی وہابی کا جھگڑا ہر وقت رہتا تھا۔ صرف حضرت سید العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت نہ الجھتی تھی۔ دیوبند میں یہی کہا جاتا کہ یہ مدرسہ حنفیوں کا ہے۔ چناں چہ آپ کو بھی خوف دامن گیر تھا کہ یہاں بھی مولانا شہیدؒ کی کہیں مخالفت نہ ہو لیکن چند ماہ کے بعد ایک طالب علم نے جو مولانا شہیدؒ کا نام لیا تو بڑے ادب سے لیا۔ آپ نے تفتیش کی تو اس نے بتایا کہ یہ مدرسہ مولانا شہیدؒ ہی کا ہے، وہ بھی حنفی تھے۔ جب آپ کو اس امر کا یقین ہو گیا تو دیوبندی ہو گئے جہاں مرشد کی وجہ سے حنفی تھے، وہاں توحید میں مولانا شہیدؒ کے پیرو تھے۔ دیوبند میں یہ دونوں چیزیں میسر آگئیں اور اطمینان نصیب ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیو بند کی تعلیم

پانچ ماہ میں قطبی تک منطق کے رسائل مختلف اساتذہ سے پڑھے۔ ابتدا میں کچھ زیادہ مسرور نہ ہوئے کیوں کہ بعض اساتذہ کے پڑھانے کا وہی طریق تھا جو دیو بند سے باہر عربی مدارس کے اساتذہ کا دیکھ چکے تھے۔ اعلیٰ جماعت میں شامل ہونے کے لیے اطراف ملک سے بہترین فاضل نوجوان جو آتے تو درسی کتابیں ختم کر کے آتے۔ یہاں صرف تکمیل کے لیے داخل ہوتے۔ ہر ایک کو کسی نہ کسی خاص استاد سے انس پیدا ہو جاتا۔ اس کے ذریعے تکمیل تعلیم مکمل کر لیتا۔ مدرسہ کے اوقات کا پوری طرح پابند رہتا۔ آپ کا بھی یہی طریق تھا۔ بعض اساتذہ پوری شفقت اور ہمدردی سے پیش آتے۔ مدرسہ پر ہر ایک سطحی نگاہ ڈالنے والے کو اساتذہ کے اس فضل و کمال اور ان کی الفت و محبت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔

مدرسہ کے ناظم اور دفتروں میں کام کرنے والے منشی عموماً اچھے خلق کے ہوتے۔ مولانا رفیع الدینؒ مدرسہ کے مہتمم تھے۔ مدرسہ کے ہر کام پر ان کی نظر تھی جو طالب علم محنت کرنا چاہتا سہولت کی سب چیزیں مثلاً اچھا کمرہ، روشنی کا انتظام، مطلوبہ کتاب اور لائق استاد اپنے لیے مہیا پاتا۔ روٹی، کپڑے میں بعض منشی یوپی کے طلبہ کو ترجیح دیتے، عمدہ کھانے اور کپڑا پہلے ان کے لیے پھر پنجابی، سندھی اور پشتونوں کے لیے ہوتا۔ یہ ایک عموماً طبعی چیز ہے جس کی اصلاح شاید ناممکن ہو۔ آپ کو کھانے پینے کی تکلیف اس لیے محسوس نہ ہوتی کہ آپ کو ایسے امرا کے گھروں سے کھانا ملتا جو کھلا کر خدا کا شکر کرتے اور کھانے والوں کا احسان مانتے۔ اس لیے منشیوں کی کلفت چنداں محسوس نہ ہوتی۔ آپ بے حجاب کسی کے گھر نہ جاتے ہر گھر کا سلوک آپ سے یوں ہوتا جس طرح پیاری ماں کا ہوتا ہے۔ دیو بند کے شرفا میں مولانا محمد قاسمؒ کی تربیت کا خاص نور ملتا جو اپنا سب کچھ مدرسے کے لیے قربان کر دیتے۔

مدرسہ میں ہر سال کے لیے باقاعدہ نصاب تھا۔ لیکن محنت کر کے جلد ترقی کرنے والے طلبہ کے لیے اس کی پابندی ضروری نہ تھی۔ آپ نے ایک مشفق مہربان استاد کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ انھیں دو سبق پڑھا دیا کریں۔ انھوں نے مطالعہ کا خاص طریق سکھا دیا۔ زیادہ سے زیادہ ان سے پانچ سبق پڑھے ہوں گے کہ اپنی محنت کر کے کتابوں کا خود مطالعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے قابل ہو گئے۔ یہ سب ایک سال کی محنت کا نتیجہ تھا۔ یہ بات آپ نے ہندوستان بھر میں غالباً کسی درس گاہ میں نہیں پائی کہ وہ کسی محنتی طالب علم کے لیے ایسا سامان اور انتظام میسر ہو کہ وہ اپنی طبعی رفتار سے بے روک ترقی کرتا رہے۔

دیوبندی مسلک مولانا کی نظر میں

دیوبند کی اس درس گاہ میں ان تعلیمی سہولتوں کے علاوہ سیاسی فکر اور مذہبی پابندی کی برکات نمایاں تھیں۔ منتظمین کا ایک خاص فکر تھا جسے وہ کسی حال میں نہ چھوڑ سکتے تھے ان کی مذہبی سوسائٹی کی پابندی ایک خاص طریقے کی تھی۔ اسے وہ سارے ہندوستان میں قائم کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس میں وہ ذرا سی غفلت بھی روا نہ رکھتے تھے۔ عوام مسلمانوں کے لیے شاہ ولی اللہؒ کی وہی حنفی فقہ ان کے سامنے تھی جس کے شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ اسحاقؒ، مولانا محمد قاسمؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ باقاعدہ پیرو چلے آتے تھے۔ یہ تھا ان کا مسلک اور یہ تھا ان کا پروگرام جس کے ذریعے وہ فتاویٰ عالم گیری ہندوستان میں قائم کرنا چاہتے تھے اور اسی میں اپنی نجات سمجھتے تھے۔

اگر ہندوستان جیسے ملک میں دنیا کے مسلمانوں کی مختلف سوسائٹیوں کو پروپیگنڈا کرنے کا موقع دیا جائے تو مسلمان کبھی بھی کوئی راستہ متعین نہ کر سکیں گے۔ لیکن دیوبندی اصول پر چل کر فوراً عالم گیر کا زمانہ واپس لایا جاسکتا ہے اور عالم گیر سے تاریخ کا سلسلہ محمود تک جا ملے گا اس طرح ان کے پیچھے باقاعدہ ایک تاریخ نظر آئے گی اور یہ اول درجے کے ہندوستانی بن سکیں گے۔

اسی اصول پر امام ولی اللہ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔ لیکن ان کا ایک درجہ اس سے بھی بلند ہے وہ یہ کہ جب وہ ساری دنیا کو اسلام کا جامہ پہنانا چاہتے ہیں تو وہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ کو سامنے رکھتے ہیں، جو براہ راست پیغمبر اسلامؐ کے نقش قدم پر ہیں۔ اس طرح امام ولی اللہ حنفی، مالکی اور شافعی فقہ کو فاروق اعظمؓ کی فقہ کی شاخیں بنا دیتے ہیں۔ لیکن حضرت امام کے لیے یہ موقع میسر نہ آسکا اس لیے شاہ عبدالعزیزؒ نے خالص حنفی بن کر کام شروع کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیائے اسلام میں آج مختلف قسم کے نعرے لگائے جارہے ہیں کہیں "حکومتِ الٰہیہ" کو قائم کرو۔ کہیں "اسلام کی حکومت" زندہ کرو کہیں "قرآن کی حکومت" کو برسراقتدار لاؤ۔ کہیں "خدا کی حکومت" بناؤ اور کہیں "خلافتِ راشدہ" کے لیے کوشش کرو، مختلف آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ان مختلف عنوانوں کا مطلب ایک ہی ہے لیکن اس کے قیام کے لیے جس کسی سے پوچھو کہ اس کے لیے پروگرام کیا ہے تو کوئی جواب نہیں ملتا۔ اس کا جواب فقط امام ولی اللہ کے پاس ہے اور وہ یہ کہ فاروق اعظمؓ کا مذہب جو حضرت امام ولی اللہ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا کے ایک مستقبل باب میں درج کر دیا ہے۔ فقہ عمر کے نام سے اس کا اردو ترجمہ چھپ چکا ہے۔

یہ سب چیزیں مولانا مرحوم کے قائم کردہ بیت الحکمت کے نصاب میں شامل ہیں۔ اس بیت الحکمت میں مولانا سندھیؒ پڑھاتے رہے اور یہ انھوں نے دیوبندی بن کر سیکھیں۔

آپ نے دیوبند میں صرف حدیث ہی نہیں پڑھی، اس کے ساتھ حنفی فقہ بھی پڑھتے رہے۔ وہ بار بار فرماتے کہ یہ صرف دیوبند کی تربیت کا اثر ہے کہ میں حنفی بنا رہا۔ اس کا بیج بھر چونڈی سے پڑا۔ حکمت و منطق کی کتابیں جلد ختم کرنے کے لیے آپ چند ماہ مولانا "احمد حسن" صاحب کان پوری کے مدرسہ میں چلے گئے۔ بعدازاں چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں رہ کر مولوی مظہر الدینؒ صاحب سے بھی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۰۷ ہجری صفر کے مہینہ میں پھر واپس دیوبند آگئے۔

حضرت مولانا شیخ الہند کی صحبت میں آپ کی ذہانت و قابلیت

دیوبند میں دو تین ماہ مولانا حافظ احمد صاحبؒ سے پڑھتے رہے۔ اس کے بعد مولانا شیخ الہندؒ کے درسوں میں شامل ہوگئے۔ شعبان ۱۳۰۷ھ کو ہدایہ، تلویح، مطول، شرح عقائد اور مسلم الثبوت میں امتحان دیا تو ایسے امتیازی نمبروں میں کامیاب ہوئے کہ آج تک کسی نے اتنے نمبر حاصل نہ کیے تھے۔ مولانا سید احمد صاحب دہلوی اول مدرس نے جوابات پڑھے اور بہت تعریف کی اور کہا: "اگر عبید اللہ کو مطالعے کے لیے کتابیں مل گئیں تو ثانی عبدالعزیز مولوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گا؟

حضرت امام انقلاب مولانا سندھیؒ جاہ دنیاوی اور عزت فی الخلق کو لاشے محض خیال کرتے تھے امرا اور اہل دولت سے ان کی وابستگی تو درکنار نفرت تامہ تھی۔ غربا اور فقرا، طلبہ اور اہل اللہ سے ان کو انس عظیم تھا۔ دن رات اسی اصلاح عقائد و اعمال کی ترقی کی فکر اور امت مسلمہ کی زہر آلودہ مغربی تعلیم اور الحاد، بے دینی کے وبائی جراثیم سے حفاظت مشغلہ اور نصب العین تھا۔ اسی نصب العین کے ماتحت دار العلوم کی ترقی کے لیے وہ سندھ سے دیوبند آئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے انھوں نے جمعیت الانصار قائم کی اور اسی کے لیے انھوں نے دہلی میں مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ کی بنیاد ڈالی۔ اس زمانے میں ان کا سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا اسی نصب العین کے زیر سایہ رہتا تھا۔

مگر کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ جنگِ طرابلس اور بلقان کے روح فرسا اور اطمینان کش واقعات پیش آئے۔ جنھوں نے سابقہ جنگِ روم اور روس اور جنگ یونان وغیرہ پر یورپین اقوام کی غیر منصفانہ اور وحشیانہ بے راہیوں سے پیدا ہونے والے غیر مندمل زخموں میں نہایت زیادہ نمک پاشی کی اور حساس مسلمانوں اور بالخصوص حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے غیرت مند دل میں انتہائی قلق اور بے چینی پیدا کر دی۔

حضرت رحمۃ اللہ اور دیگر باغیرت مسلمانوں نے اسی تاثر قومی کے ماتحت "ہلال احمر کے لیے چندے کی تحریک کی جس پر مسلمانان ہند نے عموماً لبیک کہا مگر اس پر باخبر حلقوں اور سمجھ دار طبقوں میں اطمینان کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی، نہ قلق و اضطراب میں کوئی کمی ہوئی ادھر مضامین الہلال نے جو اس زمانے میں نہایت پرزور اور پراثر تحریر کے ساتھ شائع ہوتے تھے، یقین دلا دیا کہ برطانوی سامراج نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے بلکہ اس کو عالم وجود سے بھی مٹا دینا چاہتا ہے۔ اس لیے بجز آزادی ہندوستان کوئی صورت ممالک اسلامیہ کی امداد اور خود مسلمانان ہند، بلکہ تمام اہل ہند کی مشکلات کے حل ہونے کی نہیں ہو سکتی۔ انھی جذبات اور تاثرات نے جن میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سرشار ہو رہے تھے ان کے باغیرت اور باہمت دل میں بے چینی اور اضطراب کی موجیں مارنے والی لہریں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کر دیں اور مجبور کر دیا کہ خود بھی سر بکف ہو کر آزادی کے میدان میں کود یں اور دوسروں کو بھی کودائیں۔

انھوں نے مولانا عبید اللہ صاحب کو بیدار کرتے ہوئے اس قدر متاثر کیا کہ مولانا عبید اللہ صاحب اپنے سابق نصب العین سے تقریباً ہٹ گئے اور آزادیِ ممالکِ اسلامیہ بالخصوص آزادیِ ہندان کا نصب العین ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں اب ان کی زندگی اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، سوچ بچار صرف آزادیِ ہندوستان اور آزادیِ ممالکِ اسلامیہ ہو گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں جنگِ عظیم کی گھنگھور گھٹاؤں نے دنیا کو گھیر لیا۔ یہ حالت ایسی نہ تھی کہ اس قسم کے قلوب ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ میں نہ آئیں اور اپنی اپنی بساط کے موافق تگ و دو کرنے لگے بالآخر اسی تاثر میں مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم کابل اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حجاز پہنچے۔ مولانا عبید اللہ کا یہ جذبہ آزادی روز افزوں ترقی کرتا رہا اور اس قدر اس میں غلو ہو گیا کہ اگر اس کو جنوں کا درجہ دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ افکار تھے تو اسی کے، زبان پر ذکر تھا تو اسی کا تدبیریں تھیں تو دن رات اسی کی، اعمال تھے تو اسی کے۔ کابل میں پہنچنے کے بعد مرحوم نے امیر حبیب اللہ خان صاحب مرحوم اور ان کے حاشیہ نشینوں سے اس مقصد کے ماتحت تعلقات قائم کر کے اپنی امیدوں کی شمعوں کو روشن کیا مگر امیر حبیب اللہ مرحوم کی شہادت نے ان کی تمام شمعوں کو بجھا دیا ان کی حسرت و یاس کی کوئی حد باقی نہ رہی تاہم چوں کہ فطرت نے ان کو لوہے کا قلب اور نہ تھکنے والا دماغ دیا تھا، وہ اپنی جدو جہد میں مصروف رہا اور یہ شدید مایوسی بھی ان کے اعضا کو بیکار نہ کر سکی۔ جب امیر امان اللہ سریر آرائے سلطنت ہو گئے تو موصوف نے اپنی جدو جہد کا مرکز ان کی ذاتِ ستودہ صفات کو قرار دیا۔ افغانستان کی جنگِ آزادی میں مرحوم کی اسکیموں اور کوششوں کا بڑا حصہ شامل تھا۔ جہاں تک ایک مشہور جنگی انگریز افسر کا قول ہے کہ "کامیابی افغانستان کی نہیں ہے بلکہ عبید اللہ کی فتح ہے"۔ یقیناً جو اسکیم جنگ کی تیار کی گئی تھی وہ اگر بروے کار آجاتی اور خیانتیں نہ ہوتیں تو عظیم الشان کامیابی ہو جاتی مگر مشرقی کمان کی خیانت نے تمام کی کرائی محنت تقریباً برباد کر دی۔ تاہم یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ افغانستان کی مکمل آزادی تسلیم کر لی گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیو بند کے قیام کے دوران میں چند دوستوں نے آپ کے متعلق خواب دیکھے جن میں اچھی بشارتیں تھیں۔ آپ نے خود بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی نیز امام ابو حنیفہؒ کو بھی خواب میں دیکھا۔ رمضان شریف میں اصول فقہ پر ایک رسالہ لکھا جسے شیخ الہند نے پسند فرمایا۔ اس میں بعض مسائل اس طرح تحریر کیے کہ جمہور اہل علم کے خلاف محققین کی رائے کو ترجیح دی تھی۔ مثلاً تاویل المتشابہات ناممکن الحصول نہیں، بلکہ راسخین فی العلم وہی علم سے جانتے تھے۔

شوال ۱۳۰۷ھ ہجری سے تفسیر بیضاوی اور دورہ حدیث میں شریک ہوئے۔ جامع ترمذی حضرت مولانا شیخ الہند سے ایسی پڑھی کہ آپ کے عزیز حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ جسے ترمذی شریف پڑھا دیتے۔ اسے حضرت ترمذی کی طرح ماہر فن تنقید بنا دیتے۔ ترمذی میں حدیث بھی ہے اور فقہ بھی ہے۔ شیخ الہند فقہ حنفی کو ساتھ ساتھ ملاتے جاتے لیکن آپ نے چند ماہ کے بعد محسوس کیا کہ فقہ حنفی کا جوڑ میرے لیے قابل اطمینان طریقے سے نہیں ہو رہا ہے۔ کچھ عرصے کے لیے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سنن ابو داؤد پڑھنے کے لیے گنگوہ چلے گئے اور وہاں پختہ طریق سے حنفی فقہ سمجھ سکے لیکن حنفی فقہ کو حدیث سے منطبق کرنے کا مسئلہ وہاں بھی حل نہ ہوا۔ گنگوہ میں کچھ پڑھا اسے رٹ کر یاد کر لیا جو آئندہ گہرے علم میں بہت مفید ثابت ہوا۔ واپس دیو بند آئے تو شیخ الہند کی خاص نظر شفقت تو ان پر تھی ہی، آپ کی مشکلات کا اندازہ لگایا اور امام ولی اللہ کی شاہکار کتاب حجۃ اللہ البالغہ پڑھنے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ تم اس کتاب کا مطالعہ کرو۔ آپ نے فرمایا کہ کتاب مجھے پڑھا دیجیے، فرمایا ابھی نہیں۔

آپ کو اصول فقہ میں اچھی کامیابی حاصل ہوئی اور اصول حدیث بھی خوب سمجھتے تھے لیکن اصول تفسیر میں کوئی کتاب نہیں ملی تھی۔ شیخ الہند سے جو کتاب طلب کی تو انھوں نے سیوطیؒ کی کتاب اتقان دے دی۔ اس کے چند صفحے تو پسند آئے باقی چیز کو کام کا نہ پایا اور اطمینان نہ ہوا۔ شکایت کی تو شیخ الہند نے فرمایا شاہ ولی اللہؒ نے ایک چھوٹا سا رسالہ الفوز الکبیر لکھا ہے، وہ اچھی چیز ہے۔ شیخ الہند نے حجۃ اللہ البالغہ اور الفوز الکبیر دو کتابوں کی طرف رہنمائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تو انھیں اپنے لیے آپ نے ایک نعمتِ عظمیٰ اور لینتِ کبریٰ پایا۔ آپ کی آئندہ ساری علمی ترقی انھیں دو کتابوں کی رہینِ منت ہے۔

حدیث کو نامکمل چھوڑنا مشکل تھا، آپ بیمار ہوگئے۔ چناں چہ دورے سے علیحدہ ہو کر اساتذہ کو کتبِ سنن سنالیں۔ بیماری نے زور پکڑا تو دہلی چلے گئے حکیم محمود خان کا علاج کیا کچھ افاقہ ہوا۔ حدیث کی باقی کتابیں مولوی عبدالکریم صاحب پنجابی دیو بندی سے جلدی جلدی ختم کیں۔ سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ چار دن میں پڑھی تھیں اور سراجی دو گھنٹے میں ختم کر لی مولوی صاحب موصوف حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ایک غیر معروف محقق شاگرد تھے۔ دہلی کے قیام میں دو دفعہ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب کی زیارت کے لیے گئے۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں دو سبق بھی سنے۔

سندھ کو واپسی

اڑھائی سال میں دیو بند کی تعلیم سے فارغ ہوئے۔ بیماری کا اثر باقی تھا، بعض نے تو کہا کہ یہ مہلک بیماری ہے، دل نے مشورہ دیا کہ موت آئے تو اپنے مرشد کی خدمت میں آئے۔ چناں چہ ۲۰۔ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ ہجری کو روانہ ہوئے۔ نہ جاتی دفعہ لاہور اترے نہ آتی دفعہ اترے، سیدھے بھرچونڈی پہنچے۔ لیکن پہنچنے سے دس دن پہلے آپ کے مرشد وفات پا چکے تھے اب یہاں سے آپ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

حضرت سید العارفین کے خلیفہء دوم کی خدمت میں

مرشد کا وصال ہو گیا تھا لہذا بھرچونڈی میں دل نہ لگا، خیال آیا کہ جناب کے خلیفہء دوم مولانا تاج محمود صاحب امروٹ ضلع سکھر، صحبت میں پہنچیں۔ چناں چہ شوال ۱۳۰۸ھ میں بھرچونڈی سے امروٹ چلے گئے۔ انھوں نے اپنے مرشد کا وعدہ پورا کر دکھایا اور واقعی باپ کی طرح شفقت کا ہاتھ آپ کے سر پر رکھا۔

آپ کا نکاح انھوں نے اسلامیہ اسکول سکھر کے ماسٹر محمد عظیم خاں یوسف زئی کی صاحبزادی سے کرا دیا اور آپ کی والدہ کو بلایا، وہ آخر تک آپ کے پاس اپنی طرز پر رہیں۔ آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مطالعہ کے لیے ایک بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا، جناب کے ظل عاطفت میں ۱۳۱۵ ہجری تک سات سال اطمینان کے ساتھ مطالعہ کرتے رہے۔

کتب خانہ پیر صاحبُ العَلَم

گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدر آباد سندھ میں راشدی طریقے کے پیر صاحبُ العَلَم (جھنڈے والے) کے پاس دینی علوم کا بے نظیر کتب خانہ تھا۔ آپ دوران مطالعہ میں وہاں جاتے رہے اور کتابیں بھی مستعار لاتے رہے۔ آپ کی تکمیل مطالعہ میں اس کتب خانہ کے فیض کا بہت بڑا دخل ہے۔

اس کے علاوہ آپ حضرت رشید الدین صاحبُ العَلَم ثالث کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔ آپ نے ان کی کرامتیں دیکھیں اور اسماء اللہ الحسنیٰ کا ذکر ان سے سیکھا۔ وہ دعوت توحید و جہاد کے مجدد تھے اور حضرت مولانا ابوالتراب رشد اللہ صاحبُ العَلَم الرابع سے بھی علمی صحبتیں رہتیں۔ وہ علم حدیث کے بہت بڑے عالم تھے، نیز صاحب تصنیف تھے۔ ان کے ساتھ قاضی فتح محمد صاحب کی علمی صحبت بھی آپ کو ہمیشہ یاد رہی۔

آپ کی علمی تحقیقات کا مرکز

خداوند تعالیٰ کی خاص نعمتوں میں سے ایک خاص نعمت یہ بھی آپ کے شامل حال رہی کہ فقہ و حدیث کی تحقیق و تطبیق میں اور ایسا ہی قرآن عظیم کی تفسیر میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ دیوبندی سے شروع کر کے امام ولی اللہ دہلوی تک سلسلہ علما آپ کا رہبر بنا اور آپ نے انھیں اپنا امام بنا لیا۔ آپ کو علمی و سیاسی ترقی میں اس سلسلے سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس سے آپ کی تمام کوششیں ایک اصول پر منظم ہو گئیں۔

آپ نے دہلی میں کتاب قبلہ نما کا مطالعہ کیا، اس کے معارف آپ کی روح سے پیوست ہو گئے۔ حدیث کی تحقیق میں حجۃ اللہ کا تعارف ہو چکا تھا۔ چناں چہ اس کے مطالعے سے اطمینان نصیب ہو گیا۔ آپ نے علما کی ایک جماعت کو حجۃ اللہ پڑھائی اور خود کافی عرصہ بعد شیخ الہند سے پڑھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقہ قادریہ

اس عرصے میں طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ مجددیہ کے اشغال و اذکار آپ اپنی طاقت کے مطابق حضرت سید العارفین کے خلیفہ اعظم مولانا ابو السراج دین پوری سے سیکھتے رہے علاوہ ازیں اگر آپ کی کوئی دنیاوی ضرورت امروٹ میں پوری نہ ہوئی تو دین پور سے پوری ہو گئی۔ اس طرح آپ کو اپنے مرشد کی جماعت سے باہر جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔

آپ کا سیاسی میلان

سات سال کے دوران میں مولانا محمد اسماعیل شہید کی آپ نے سوانح عمری دیکھی۔ دیو بند کی طالب علمی نے بہت واقعات اور حکایات سے آشنا کر دیا۔ مولانا عبدالکریم دیو بندی نے دہلی کے زوال کی تاریخ آنکھوں دیکھی بات بنا دی تھی۔ علاوہ ازیں آپ کا دماغ بچپن سے خاندانی افراد کی صحبت میں انقلاب پنجاب کے تکلیف دہ حالات سے بھرا ہوا تھا۔

دیو بندی تحریک سے پہلے واقفیت ہو گئی تھی۔ مگر معلومات بالکل غیر منظم تھیں اتفاق سے ایک کتاب جس کا نام "سوانح احمدیہ" ہے مل گئی۔ اس میں اول تو تحریک کے مسلسل واقعات اور آخر میں خطوط کا حصہ ہے جو مولانا اسماعیل شہید نے لکھے ہیں۔ ان کے مطالعے سے اس تحریک کے اصول اور طریق کار کو آپ سمجھ گئے۔ چناں چہ آپ نے سیاسی طور پر اس تحریک سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا اور اسی طریق پر کام کرنا شروع کر دیا، پنجاب کے لاہور کی بجائے ہندوستان کے دہلی شہر کو مرکز بنایا اور دہلی سے کابل تک اپنا ملک سمجھا۔

دوبارہ دیو بند میں

یہ فکر بنا کر ۱۳۱۵ھ میں پھر دیو بند پہنچے۔ اپنے مطالعے کے نمونے کے طور پر دو رسالے لکھ کر ساتھ لے گئے۔ ایک علم حدیث میں اور دوسرا فقہ حنفی میں تھا۔ حضرت شیخ الہند نے دونوں رسالے پسند فرمائے۔ اس دفعہ حدیث کی دس بارہ مشہور کتابوں کے اطراف سنائے تو دوبارہ زبان مبارک سے پڑھانے کی اجازت فرمائی۔ جہاد کے بعض مسائل کے ضمن میں آپ نے اپنی جماعت کا ذکر کیا۔ حضرت نے بہت پسند فرمایا اور چند اصلاحات کا مشورہ دے کر اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتحادِ اسلام کی ایک کڑی بنا دیا، اس کام کو جاری رکھنے کی وصیت فرمائی۔ اس کے بعد آپ کے تمام تعلیمی اور سیاسی مشاغل حضرت سے وابستہ رہے۔ آپ کے نو مسلم ہونے کی وجہ سے آپ سے کچھ زیادہ شفقت و محبت سے پیش آتے لیکن جب آپ نے فکر کا تعارف کرایا تو محسوس کیا کہ حضرت کے دل میں آپ کی محبت سوگنا بڑھ گئی ہے۔ چناں چہ اس روز سے اپنی تحریک کا خاص رکن بنا لیا۔

مولانا شہید کی تحریک کے بعد دو تحریکیں ہندوستان میں نمایاں ہوئیں۔ ایک اہل حدیث تحریک اس کا مرکز پٹنہ تھا، مولوی ولایت علی اس کے بانی تھے۔ دوسری تحریک دیوبندی تحریک تھی اس کے بانی شاہ اسحاقؒ تھے وہ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے جانشین تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے دہلی میں حاجی امداد اللہؒ نے کام شروع کیا تھا۔ اس زمانے میں مولانا محمد قاسمؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کے رفیق کار تھے۔ اس جنگ میں کچھ پکڑے گئے، کچھ روپوش ہو گئے۔ جب وہ ہنگامہ فرو ہوا تو حاجی امداد اللہؒ تو مکہ معظمہ میں جا مقیم ہوئے اور یہ کام اپنے دونوں رفقائے موصوف کے سپرد کیا۔ انھوں نے اس تحریک کو چلانے کے لیے دیوبند میں مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کے جتنے ہم عمر حضرت سے ملنے والے تھے ان سب میں آپ سے زیادہ سیاسیات میں کوئی قابل اعتماد نہ تھے۔ نیز ولی اللہی خاندان کی علمی تحقیقات میں بھی حضرت کے نزدیک کوئی آپ کا ہم مرتبہ نہ تھا، ان دو باتوں کے علاوہ دوسری باتوں میں حضرت کے بعض شاگرد آپ سے بڑھے ہوئے تھے۔ مولوی عزیر گل نے آپ کو بتایا کہ جب حضرت مالٹا میں اسیر تھے تو اپنے شاگردوں پر رائے زنی فرماتے۔ ارشاد فرمایا: "میری جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ہر فن میں دخل رکھتے ہیں۔ جیسے مولوی کفایت اللہ اور ایسے بھی ہیں جو حکمت و سیاست دونوں میں ماہر ہیں جیسے مولوی عبیداللہؒ۔ حکمت سے مراد شاہ ولی اللہؒ کی حکمت ہے اور سیاست تو آپ کا بچپن سے مشغلہ تھا۔ چناں چہ جب بین الاقوامی سیاست دانوں کی سیاست سامنے آئی تو آپ نے ان کی اکثر غلطیاں ظاہر کیں۔ جنھیں انھوں نے تسلیم کیا، ہندوستانی سیاست میں خاص طور پر آپ کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدرسہ دارالرشاد کی بنیاد

کچھ عرصے بعد آپ حضرت سے رخصت ہو کر سندھ، امروٹ میں واپس آ گئے۔ دو سال تک ایک مطبع جاری رکھا، اس کے ذریعے بعض عربی اور سندھی میں نایاب کتابیں طبع ہوئی۔ ایک ماہوار "رسالہ ہدایت الاخوان" بھی شائع کرتے رہے۔ ساتھ ہی مدرسہ بنانے کی فکر دامن گیر رہی، کیوں کہ اس کے بغیر کام ترقی پاتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کے لیے دوسری جگہ کی تلاش میں حیران تھے کہ حضرت مولانا رشد اللہ پیر صاحب العلم رابع نے ۱۳۱۹ھ میں آپ کی تجویز کے مطابق مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کی تجویز پر دارالرشاد نام رکھا اور آپ سات سال اس میں علمی و انتظامی تمام اختیارات کے ساتھ کام کرتے رہے۔ چناں چہ خود حضرت مولانا شیخ الہندؒ اور مولانا شیخ حسین بن حسن انصاری یمانی اس مدرسہ میں امتحان لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس مدرسے میں بھی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور امام مالکؒ کو بھی خواب میں دیکھا۔

جمعیت الانصار کا قیام

۱۳۲۷ ہجری میں حضرت مولانا شیخ الہند نے آپ کو دیوبند میں طلب فرمایا اور وہاں آپ سے مفصل حالات سنے۔ آخر حکم دیا کہ آپ دیوبند میں رہ کر کام کریں اور سندھ سے تعلق قائم رکھیں۔ چناں چہ اسی سال ۲۷ رمضان کو جمعیتِ انصار قائم کی۔ دنیا کے ہر حصے میں دیوبندی فارغ التحصیل طلبہ پھیلے ہوئے تھے۔ انھیں منظم کیا گیا۔ مولانا محمد صادق صاحب سندھی، مولانا ابو محمد احمد صاحب چکوالی لاہوری اور آپ کے عزیز مولانا احمد علیؒ صاحب آپ کے معاون تھے۔ چار سال تک آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے اس کام کو کیا۔ لیکن بعض رجعت پسند علما کو یہ ترقی ایک آنکھ نہ بھائی، چناں چہ کفر تک کا فتویٰ تیار ہونے لگا۔ "غیر ہندوستانی حکومت" اس تحریک کو اپنے لیے خطرناک سمجھتی چناں چہ اس مدرسے کے نظم و نسق میں ارتجاعی قوت برسراقتدار آنے لگی۔ آپ اسے گوارا نہ کر سکتے تھے۔ جب دیکھا کہ دیوبند کی انقلابی تحریک فنا ہو رہی ہے۔ آپ فوراً اپنا استعفا پیش کر کے چل دیے۔ حضرت مولانا شیخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الہند دیوبند میں نہ تھے، وہ آپ کو راستے میں سہارن پور کے اسٹیشن پر ملے۔آپ نے اپنے استعفے کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا"الحمدللہ میرے دل سے بوجھ ہلکا ہوگیا ہے"۔ پھر فرمایا: کب آؤ گے؟ آپ نے فرمایا: پندرہ دن کے بعد، چناں چہ پندرہ دن کے بعد جو گیا"تو میرا استعفیٰ مجھے واپس دے دیا اور حکم دیا کہ دہلی جاکر نظارۃ المعارف جاری کرو، تم ہمارے ساتھ کام کرو، ہم تمھارے ساتھ کام کریں گے"اس سے آپ خوش ہوگئے۔ حضرت نے اپنا پیرہن اتار کر پہنایا اور دہلی چلے گئے۔

نظارۃ المعارف

حضرت مولانا شیخ الہند کے ارشاد پر نظارۃ المعارف ۱۳۳۱ھ میں قائم ہوئی، آپ کا کام دیوبند سے دہلی میں منتقل ہوا۔ خود حضرت شیخ الہند سرپرست ہوئے۔ حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک کو انتظام میں شریک کیا۔ جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر حضرت شیخ الہند نے ہند اور بیرون ہند کے فارغ التحصیل دیوبندی علما سے آپ کا تعارف کرایا، اسی طرح دہلی میں بھیج کر نوجوان طاقت سے تعارف کرایا۔ پہلے ڈاکٹر انصاری سے ملاقات کرائی، پھر ان کے ذریعے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علیؒ مرحوم سے ملایا۔ تخمیناً دو سال میں مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف کیا۔ تاہم حضرت شیخ الہندؒ کے طریقے پر قائم رہے۔ قرآن حکیم کے پڑھانے میں کسی جگہ عام علما کی رائے کے خلاف ترجمہ کرتے تو آپ عرض کرنے والے کو شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا محمد قاسمؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن میں سے کسی ایک کی سند پیش کرکے مطمئن کر دیتے۔ حجۃ اللہ البالغہ کے اسباق بھی شروع کر دیے۔ آپ نے پچاس پچاس روپے کے دو وظیفے بھی مقرر کیے، ایک گریجویٹ طالب علم کے لیے اور ایک مولوی کے لیے۔ جب کام چل نکلا تو ایک دن بیگم صاحبہ بھوپال نے آپ سے پوچھا کہ ہم ایک"زنانہ یونیورسٹی"قائم کرنا چاہتے ہیں، اس میں ہمیں کیا مدد دیں گے۔ آپ نے جواب دیا: جب یونیورسٹی قائم ہوگئی تو ہم قرآن حکیم پڑھانے کے لیے دو معلم دیں گے، خوش ہوگئیں۔ پچاس پچاس روپے کے دونوں وظیفے خود جاری کر دیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولوی حمید الدین فراہی ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے ۔ مولانا شبلی کی طرف سے نظارۃ المعارف کے مہمان ہوئے ۔ ابتدائی گفتگو کے بعد فرمایا "آپ نے بڑا ظلم کیا ۔ آپ کے ہاں جو کچھ دیکھتا ہوں یہ تو ندوۃ العلماء کا مشن ہے ۔ آپ نے اس پر کیوں چھاپا مارا ۔ آپ دیوبند کے مولویوں ہی سے کام لیجیے ۔ یہ تو آپ نے ہم سے لڑائی کا محاذ پیدا کر دیا" ۔ اس پر آپ نے انھیں اپنا پروگرام سمجھایا کہ "آپ مسجدوں کی تنظیم کرنا چاہتے ہیں ۔ آپ ایک گریجویٹ اور ایک مولوی کو ملا کر ایک آدمی مانتے ہیں ۔ مسجد میں خطبہ اور امامت مولوی کا کام ہوگا اور محلے کا تمام اقتصادی پروگرام اس گریجویٹ کی نگرانی میں ہوگا ۔ مسجد میں جھاڑو دینے والا آدمی میٹرک تک پڑھا ہوا ہوگا اس طرح کوئی دوسرا خادم بھی میٹرک سے کم درجے کا نہ ہوگا ۔ مسجد میں ایک لائبریری ہوگی ۔ محلے کی تمام خیرات مسجد کے فنڈ میں جمع کی جائے گی " مولوی حمید الدین فراہی سن کر فرمانے لگے "آپ نے یہ بات ہم سے تو کہہ دی ، لیکن کسی اور سے نہ کہہ دیں ۔ اگر حکومت کو علم ہوگیا تو وہ کبھی اس تحریک کو چلنے نہ دے گی ۔ " میں جاکر مولانا شبلی سے اس کا ذکر کروں گا ۔ وہ علی گڑھ کے تمام اولڈ بوائز کو ، جو ان کے شاگرد ہیں ، خاص طور پر خط لکھیں گے ، چناں چہ وہ سب آپ کی مدد کریں گے ۔ یہ اسکیم شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے سامنے طے کی گئی تھی ۔ یہ حضرت کا مشن ہے ، آپ حضرت شیخ الہند محمود حسن کی یادگار میں اس مشن کے ذریعے کام کو بڑھانا چاہتے تھے ۔ لیکن انھی دنوں یورپ کی قوموں نے جنگِ طرابلس اور جنگِ بلقان شروع کر دی ۔ ترکوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی تدبیریں سوچی جانے لگیں ۔

ہندوستان کے غیور مسلمانوں کے لیے بھی یہ نازک وقت تھا کہ ہندوستان سے باہر اپنے مسلمان بھائیوں کو مصیبت میں مبتلا دیکھتے ہیں ۔ آپ نے جس حالت میں ۱۳۲۷ھ سے ہندوستان میں زندگی بسر کی ، اس سے حکومت ہند خوب واقف تھی ۔ آپ کا نصب العین تو کسی سے مخفی نہ تھا ۔ لیکن آپ کا کام اتنا تیز نہ تھا کہ حکومت آپ کو معطل کرنا ضروری سمجھتی آپ کی معیت میں سی ، آئی ، ڈی کے جو لوگ مقرر ہوئے ان سے آپ کا برتاؤ اچھا رہتا ۔ اس کا آپ کی آزادی میں کافی اثر تھا ۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ آپ کے کابل جانے کا فیصلہ محض اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استاد اور مربی حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ کو راضی رکھنے کے لیے کیا تھا، آپ اپنی حیثیت و طاقت سے واقف تھے۔ آپ نے بڑی بڑی امیدیں باندھ کر کبھی مسرور ہونے کی کوشش نہ کی۔ آپ کو خیال تک نہ تھا کہ کابل پہنچ کر آپ ایک سال سے کم عرصے میں اپنا ارادہ کسی ذمہ دار افسر پر ظاہر کر سکیں گے۔ اگر خوش ہوتے تو محض اس وجہ سے کہ " خدا نے آپ کو اپنے بزرگ استاد کا حکم مانتے ہوئے ملک چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائی۔"

حضرت مولانا شیخ الہند کا ذکر آپ کسی دوست سے نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے بعض دوست جو اس خیال کی تائید میں تھے ان سے اس کا ذکر آپ کر دیا کرتے تھے اور ایک مسلم حکومت میں جا بسنے کا طبعی رجحان آپ تفصیل سے سنا دیا کرتے تھے۔ ان حالات میں آپ اپنے خاص احباب سے رخصت ہوئے۔

آپ خوب واقف تھے کہ آپ جیسے ہندوستانیوں کو حکومتِ ہند کس طرح بدنام کرتی تھی۔ اس سے پہلے چند ہندوستانی ایک سیاسی سازش کے الزام میں قید تھے جس کا اثر آپ کی پوزیشن پر کافی پڑا۔ یہ بات آپ کے مدِ نظر تھی، لہذا جس قدر احتیاط درکار تھی آپ نے اس کا خیال رکھتے ہوئے کافی انتظام کر لیا تھا۔

آپ نے آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس میں (غالباً راولپنڈی میں ایک) خطبہ پڑھا، جس سے آپ کی قرآن دانی کا چرچا ہوا۔ یہ ایک پر جوش تقریر تھی، علی برادران عش عش کر اٹھے۔ اجلاس ختم ہوئے تو آپ نے موقعہ پا کر صاحبزادہ سر عبدالقیوم کے کان میں کہا کہ میں آپ سے اور افضل خان سپرنٹنڈنٹ پولیس سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں انھوں نے کہا: بہت اچھا۔ چناں چہ صاحبزادہ کے ہاں ہی تینوں خفیہ طور پر جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا" ایک راز کی بات کہنا چاہتا ہوں، اس میں میری مدد فرمائیں۔" دونوں نے بسر و چشم مدد کا وعدہ کیا اور کہا ہم دل و جان سے آپ کا کام کریں گے۔"

آپ نے فرمایا" مجھے کابل جانا ہے، کسی طریقہ سے وہاں پہنچائیں۔" دونوں اس کام میں مدد دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ نے فرمایا" سرکاری راستے نہیں بلکہ خفیہ راستے سے پہنچنا چاہتا ہوں۔" افضل خان سپرنٹنڈنٹ بولے" سب کچھ ہو جائے گا۔" آپ نے فرمایا" سندھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کچھ قرض ادا کرنا ہے وہ جا کر ادا کر آئیں۔" سر عبدالقیوم کہنے لگے" بلا روک ٹوک آجائیں، آپ کو کابل پہنچا دیا جائے گا۔"

کابل کو روانگی کی تیاری

سندھ میں گوٹھ پیر جھنڈا کے مدرسہ دار الرشاد میں پہنچے۔ وہاں مولانا عبداللہ لغاری سے کچھ رقم جمع کرنے کو کہا اور کابل روانہ ہونے کا اشارہ کیا۔ انھوں نے رقم جمع کر دی اور روانہ ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ اس کا علم پیر رشداللہ صاحب کو بھی نہ ہوا۔ انھیں کراچی جانا تھا۔ چناں چہ قرضہ ادا کر کے ان کے ساتھ آپ اور مولانا لغاری کراچی چلے گئے۔ چند روز وہاں ٹھہر کر واپس آئے تو محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی کے آدمی پیچھے ہو لیے آپ کو تھانہ میں بلایا گیا تو آپ نے فرمایا کچھ قرض ادا کرنا تھا اس کا انتظام کیا ہے۔ اب پشاور جانے والا ہوں۔

گوٹھ پیر جھنڈا سے تین میل کے فاصلے پر سعید آباد کے تھانے میں محمود خان صاحب خاص طور پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔ بعد میں وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو گئے۔ یہ مسائل دریافت کرنے کے بہانے ہر روز آپ کی خدمت میں ایک آدمی بھیجتے۔ کراچی سے آئے دو دن ہوئے تھے کہ آپ کو زکام کی تکلیف ہوئی۔ پیر صاحب نے حبوب شفا بھیج دیں۔ ایک دو گولی خوراک استعمال کرنی تھیں، آپ سب کی سب ایک ہی پھنکے میں پانی سے نگل گئے۔ ان میں دھتورا وغیرہ پڑا ہوا تھا، بس بے ہوش ہو گئے۔ دور دور سے کئی ڈاکٹر بلائے گئے۔ دس بارہ دن تو یہ حالت رہی کہ ارد گرد کی ہر چیز چکر میں ہے، آسمان گھوم رہا ہے۔ شاہی اور سرکاری ڈاکٹر بھی علاج معالجے میں شریک ہیں۔ جون کا مہینہ تھا، جب کچھ افاقہ ہوا تو ڈاکٹروں نے رائے دی کہ انھیں فوراً کوئٹہ پہنچایا جائے، وہاں ان کے دماغ کو مکمل آرام حاصل ہو، ورنہ ہمیشہ کے لیے ان کا دماغ مختل ہو جائے گا۔

یہ تمام خبریں اخباروں میں شائع ہوتی رہیں۔ ہوش میں آئے تو اپنے رفیق مولانا عبداللہ لغاری سے کہا کہ "ہندوستان کو جلد چھوڑ دینا چاہیے ورنہ مولانا شیخ الہند کو شبہ ہو گا کہ یہ خواہ مخواہ کابل پہنچنے میں دیر کر رہے ہیں۔" مولانا لغاری کے بچے گوٹھ پیر جھنڈا میں تھے، آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے فرمایا" انھیں اپنے گھر چھوڑ آئیں، ہم دین پور کو جاتے ہیں، وہاں سے سیدھا راستہ اختیار کریں گے، خط پہنچنے پر آپ ہمارے پاس آجائیں۔" چناں چہ یہ اپنے علاقہ سانگھڑ میں بال بچے چھوڑ کر واپس آئے، ادھر خط پہنچ چکا تھا کہ دین پور جلد پہنچ جائیں۔ یہ دین پور پہنچے! مولانا عبدالقادر صاحب جو آپ کے استاد تھے اور حضرت خلیفہ کے داماد تھے۔ وہاں موجود تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ" دو اونٹ تیار کر دیں، ہم سبی جانا چاہتے ہیں۔" اونٹ موجود تھے لیکن وہ تیاری نہ کرتے تھے۔ آپ نے لغاری سے پھر فرمایا کہ" دیکھیں اونٹ ان کے پاس موجود ہیں اور یہ تیار نہیں کرتے، اگر ہم انھیں ذبح کر دیں تو یہ کیا کر سکیں گے۔" اس وقت آپ کے پاس ایک پیسہ تک نہ تھا۔ لغاری نے مولانا عبدالقادر سے کہا کہ مجھے تین گنی دے دیں، میں گوٹھ پیر جھنڈا پہنچ کر بھیج دوں گا۔ چناں چہ انھوں نے دے دیں اور رفیق نے دو گنی تو آپ کے حوالے کیں اور آپ کے ارشاد کے مطابق مولانا احمد علیؒ صاحب کے بھائی محمد علیؒ کو ساتھ لے کر خود سیدھا سبی پہنچا۔ وہاں سے تین میل کے فاصلہ پر آپ کے شاگرد مولوی خدا بخش صاحب رہتے تھے، ان کے ہاں جا قیام کیا۔ آپ کا خیال تھا کہ پیدل سفر کریں لیکن جب رقم ہاتھ آگئی تو دین پور سے ریل میں سوار ہو کر آپ امروٹ پہنچے وہاں بھی دو اونٹ طلب کیے لیکن وہاں سے بھی نہ ملے۔ چناں چہ وہاں سے رک اسٹیشن پر آئے، وہاں منشی عبدالخالق گورنمنٹ پنشنر نے اطلاع دی کہ" آپ تو گرفتار ہونے والے ہیں۔" اس کے ساتھ ریل میں سوار ہو کر جیکب آباد پہنچے اور آپ نے دائم خاں نامی شخص کو یہاں اپنا بدرقہ مقرر کیا۔ دین پور سے آپ کے ساتھ ایک خادم شیخ فتح محمد خان تھا جس کا نام عبدالرحمن رکھا گیا۔ آپ نے فرمایا یہاں سے سبی تک پیدل سفر کریں گے۔ دو میل گئے تو منشی عبدالخالق نے کہا" آپ ہمارے علاقے سے باہر ہیں شکر ہے کہ ہمارے علاقے میں آپ گرفتار نہیں ہوئے۔" دائم خاں راستوں سے خوب واقف تھا۔ ساری رات چلتے رہے دن چڑھا تو معلوم ہوا کہ نصیر آباد کا اسٹیشن قریب ہے۔ دائم خان کو ایک شخص ملا، اس نے کہا کہ تیرا بیٹا کل چوری میں گرفتار ہو گیا ہے۔ چناں چہ اس نے اسی وقت آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ عبدالرحمن کے ساتھ اسٹیشن کے قریب کھڑے سوچ رہے ہیں کہ کدھر جائیں، راستہ تو معلوم نہیں۔ اتنے میں ایک قلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے قلی سے کہتا ہے کہ آج سبی فروٹ ٹرین پہلی مرتبہ فروٹ لانے کے لیے کوئٹہ کو جاری ہے ۔ یہ ٹرین اس موسم میں چلتی ہے ۔ دوسرا کہتا ہے "کیا اس میں سواری گاڑی بھی ہوتی ہے یا نہیں ۔" اس نے جواب دیا صرف چند ڈبے ہوتے ہیں ۔ امروٹ میں آپ کو "بلوچ سرداروں" کا لباس پہنایا گیا تھا ۔ چناں چہ اس وقت آپ اسی لباس میں تھے فوراً اسٹیشن پر پہنچ کر دوسرے درجے کے دو ٹکٹ حاصل کیے ۔ ٹکٹ بابو نے آپ کا نام دریافت کیا ۔ آپ نے بلند آواز میں کہا "اچھا آپ یہ کام بھی کرتے ہیں ۔" وہ مرعوب ہو کر خاموش ہو گیا ۔ گاڑی آنے پر سوار ہو گئے ۔ جنگ کا زمانہ تھا لہذا قانون تھا کہ جو سوار ہوا سے سبی اور کوئٹہ کے درمیان "ہرک اسٹیشن" سے پہلے کہیں اترنے کی اجازت نہ تھی ۔ گاڑی "ہرک اسٹیشن" پر پہنچی ، ایک شخص آیا اس نے نام دریافت کیا آپ نے فرمایا "عبید اللہ" ۔ کیا کام کرتے ہیں ؟ ملازمت ۔ کہاں جا رہے ہیں ؟ کوئٹہ ۔ کیوں ؟ کچھ بیمار ہوں سر میں درد ہے ۔ چند دن وہاں آرام کریں گے اور پشاور چلے جائیں گے ۔ امروٹ میں بتایا گیا تھا کہ اگر کوئی کوئٹہ میں قیام کا پتا دریافت کرے تو فلاں سی ۔ آئی ۔ ڈی ڈپٹی انسپکٹر پنشنر کا نام بتا دیا جائے ۔ چناں چہ جب قیام کے متعلق سوال کیا گیا تو یہی نام بتا دیا گیا ، وہ مطمئن ہو گئے ۔ درمیانے اور تیسرے درجے کے مسافروں کی تفتیش کرنے کے لیے انھیں یہاں چوبیس گھنٹے ٹھہرایا جاتا تھا ۔ آپ نے اسٹیشن پر عبدالرحمن سے کہا کہ واپس سبی جاؤ اور ہمارے رفیق مولوی عبداللہ لغاری کو لے کر کوئٹہ پہنچو ، کچھ سرمایہ بھی فراہم کر کے لاؤ ۔ عبدالرحمن سبی پہنچا تو آپ کے رفیق نے اڑھائی سو روپیہ جمع کیا ہوا تھا ۔ چناں چہ وہ محمد علی اور عبدالرحمن کے ساتھ سوار ہو کر کوئٹہ پہنچا ۔ آپ پہلے پہنچ کر اسٹیشن پر اترے تو ایک انگریز آفیسر آیا ، اس نے آپ کو آواز دی ۔ اتنے میں ایک اور انگریز موٹر سائیکل پر سوار ہو رہا تھا اس نے اسے بلایا اور کہا کہ ان کا تعاقب کرو ۔ آپ کو موقع مل گیا ، فوراً ٹکٹ دے کر تانگے میں سوار ہوئے اور چل دیے ۔ تانگے والے سے اسی سی ۔ آئی ۔ ڈی ، ڈپٹی انسپکٹر پنشنر کا پتا دریافت کیا ۔ اس نے کہا ، یہیں اسٹیشن سے مغرب کی طرف قریب ہی وہ رہتا ہے ، چناں چہ وہاں جا کر اتارا آپ نے پانچ روپے اسے دیے وہ خوش ہو کر چلا گیا ۔ افسر سے ملے اور ایک چٹھی اسے دی جس میں امروٹ کے بزرگوں نے لکھا ہوا تھا یہ ہمارے آدمی ہیں چار پانچ دن تک آپ کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹھہریں گے۔ چھٹی کو پڑھ کر وہ بہت خوش ہوا اور بہت عزت سے اتارا۔

آپ اسی افسر کے ہاں تھے کہ مولانا عبداللہ لغاری، محمد علی اور عبدالرحمن تینوں پہنچ گئے۔آپ کے پاس ایک اور خط بھی تھا جو خواجہ پیر حسن جان سرہندی کا تھا، وہ بوستان میں ان کے ایک مرید کے نام تھا۔ اس خط میں درج تھا کہ ہمارے آدمی افغانستان جانا چاہتے ہیں انھیں وہاں پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔آپ نے مولانا عبداللہ لغاری اور عبدالرحمن دونوں سے کہا کہ یہ خط لے جاؤ۔چناں چہ یہ گئے اور خط مکتوب الیہ کے حوالے کیا۔ اس نے کھول کر پڑھا اور کہا" اگر یہ میرے بزرگ کا نہ ہوتا تو میں گرفتار کرا دیتا، اب میرا احسان یہی سمجھو کہ میں تمھارے متعلق کسی سے کچھ نہ کہوں گا۔ تم اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔" یہ دونوں واپس آپ کے پاس آئے جو کچھ اس نے کہا تھا، بیان کیا۔آپ نے فرمایا" اچھا چمن جاکر کوئی تدبیر نکالو۔ انھیں دنوں شیخ عبدالرحیم سندھی اور مولوی خدا بخش صاحب بھی کوئٹہ میں پہنچ گئے۔ وہ آپ سے ملنے آئے تو ان سے معلوم ہوا کہ چمن میں ایک پٹھان ہے اس کی معرفت حیدرآباد سندھ کے نو مسلم افغانستان بھیجے جاتے تھے۔ انھوں نے چمن میں جاکر اس پٹھان سے کہا کہ آپ افغانستان پہنچانے کا انتظام کر سکتے ہیں۔ اس نے کہا، لاؤ کہاں ہیں؟ واپس آکر آپ سے یہ بات کہی گئی تو آپ نے فرمایا، یہ تجویز درست نہیں، ہاں صرف محمد علی کو روپیہ دیا اور اس پٹھان کے پاس بھیج دیا وہ "نو مسلم" ہے۔چناں چہ پٹھان کے ذریعے افغانستان پہنچ گیا۔

آپ نے رات کو افغانستان کا نقشہ منگوایا اور اسے غور سے دیکھا۔ معلوم ہوا کہ ایک طرف سے افغانستان کی حد صرف پچاس میل دور ہے۔آپ نے فرمایا یہ راستہ مناسب ہے۔ آپ کو ٹھہرے ہوئے چار دن گزر گئے۔ میزبان کو بھی معلوم تھا کہ مہمان اب پشاور جانے والے ہیں۔ مولوی سعیداللہ ایک بلوچ کوئٹہ میں رہتے تھے ان کا ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ ان سے آپ نے فرمایا رات، ہم آپ کے پاس ٹھہریں گے، انھوں نے قبول کیا۔ شیخ عبدالرحیم سندھی وغیرہ کو رخصت کیا اور کہا اب ہمیں، ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ رات کو مولانا عبداللہ لغاری اور مولوی عبدالرحمن بلوچ سے کہا کہ ہمیں ایک ایسا پٹھان دیں جو ہمیں شراوک پہنچا دے۔ لیکن سرکاری راستے پر جگہ جگہ چوکیاں تھیں، اس لیے کسی ایسے راستے سے چلے جس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی آدمی نہ ملے اور چوکیوں سے بچ کر نکل جائے ۔ مولوی صاحب نے اختر نامی ایک پٹھان کو تجویز کیا، یہ شراوک کا رہنے والا تھا اور راستے سے خوب واقف تھا، لیکن کوئی اور زبان جانتا ہی نہ تھا۔ مولوی صاحب کے ذریعے فیصلہ ہوا کہ شراوک پہنچ کر اسے ایک گنی دے دی جائے گی

کوئٹہ سے روانگی

عشا کے وقت کھانا لایا گیا، اس وقت قلعے کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا ۔ قلعہ میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی اس میں ایک آدمی بیٹھا تھا اسے باہر جانے کے لیے کہا گیا لیکن وہ ایک نہ سنتا ۔ بولا "مجھے تو گورنر بھی یہاں سے نہیں نکال سکتا ۔" آپ نے اسے پانچ روپے بھیجے ۔ آخر مولوی عبدالرحمن بلوچ نے اسے باہر بٹھا دیا اور آپ سے کہا آپ کا بدرقہ آپ کی زبان نہیں جانتا لہذا اپنا بھائی نور محمد بھی آپ کے ساتھ روانہ کرتا ہوں تاکہ راستہ میں مدد دے ۔ اسے شراوک سے واپس کر دیں ۔ عشا کی نماز کے بعد کچھ چینی، چاول اور آٹا باندھ دیا ۔ قلعے کے پچھلی طرف ایک راستہ تھا اس سے عورتیں پیشاب وغیرہ کے لیے باہر جاتی تھیں ۔ اس راستے سے باہر نکلے اور شراوک کی راہ لی ۔ یہ شہر افغانستان کی سرحد ہے ۔ اختر بدرقہ راتوں رات کہیں سے کہیں لے گیا ۔ صبح ہوئی تو ایک پہاڑ میں داخل ہوئے یہاں بڑی پھرتی سے کھانا اور چائے تیار کی، کھا پی کر پھر چل دیے ۔ ایک پہاڑ کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا، ایک سلسلہ ہے کہ چلا جا رہا تھا، ان پر چڑھنا اور اترنا کام تھا ۔ نہ آدم نہ آدم زاد، بس یہ تینوں مسافر، دو ان کے راہبر اور نیچے اوپر پہاڑ تھے ۔ چلتے چلتے آپ کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ۔ چلنے سے معذور تھے لیکن استاد کا حکم خدا کی راہ میں اڑائے لیے جاتا تھا ۔ ایک جگہ دو رویہ پہاڑ تھے اور بیچ میں ندی اور ندی ہی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قدم ملائے جاتے تھے، کپڑے پانی سے شرابور تھے ۔ شام سے پہلے ایک جگہ چند آدمی دکھائی دیے، پانی لے جا رہے تھے ۔ وہ ان مسافروں کو دیکھ کر بولے "اے مسافرو بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو، کچھ دیر یہیں ہمارے ہاں آرام کر لو، پھر چلے جانا ۔" آپ نے شکریہ ادا کیا اور ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا ۔ چناں چہ سفر جاری رکھا رات کافی بھیگ گئی تھی، پاؤں لڑکھڑاتے تھے اور آنکھیں بند ہو ہو جاتی تھیں ۔ آخر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مسجد دکھائی دی، قریب ہی ایک تالاب تھا وہاں ٹھہر کر نمازیں پڑھیں اور لیٹ گئے صبح ہوئی تو ایک آدمی آنکلا جو تالاب کا مالک تھا۔ مسافروں کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ نور محمد سے کہا گیا کہ اس سے آٹا دریافت کرو۔ اس نے طلب کیا دیہاتی نے انکار کر دیا۔ مولانا عبداللہ لغاری اپنی تسبیح اور عصا لے کر اٹھے۔ نور محمد نے کہا" یہ شراوک کے پیر صاحب ہیں۔" دیہاتی کا چھوٹا بھائی ترگڑی نامی بھی آگیا۔ وہ قیمت پر کھانا دینے پر تیار ہو گیا۔ چناں چہ اس سے اتنا آٹا لیا کہ ان کا سارا کنبہ بھی ساتھ بیٹھ کر کھا سکے۔ دو سیر آٹا ایک روپے کا دیتے تھے اس حساب سے جو رقم بنی اسی وقت ادا کر دی۔ ایک بکرا بھی لے آئے۔ اس کے پانچ روپے لیے اور کہا اس کی کھال نہیں دیں گے۔ آپ اس پر راضی ہو گئے۔ مسافر چائے پی کر سو گئے اور دیہاتی سب بال بچوں سمیت وہیں آ گئے۔ بہت سا گھی ڈال کر خوب کھانا تیار کیا، ایک ران کے کباب بنائے۔ سب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا، پھر کچھ آرام کیا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو کچھ روٹیاں باندھ کر چلنے لگے۔ اب شراوک کچھ دور نہ تھا لیکن آپ کے پاؤں سخت زخمی ہو رہے تھے۔ سواری کے لیے پوچھا تو کہا" ایک بیل ہے اور ایک گائے ہے لیکن شراوک کے فلاں مقام تک جا سکتے ہیں، آگے نہیں جائیں گے۔" دونوں جانور کرایہ پر لے لیے۔ بیل پر آپ سوار ہو گئے اور گائے پر مولانا لغاری اور سرگڑی بھی ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے آخر ایک برجی دکھائی دی۔

افغانستان میں داخلہ

اختر بولا یہ امیر صاحب کی سرحد کی برجی ہے۔ اس کے پاس مغرب کی نماز پڑھی۔ افغانستان کی سرحد میں داخل ہوئے تو یہ آیت پڑھی :نجو من القوم الظلمین ۝ ویران جگہ تھی لیکن اتنی بلند کہ کوئٹہ کے برفانی پہاڑ بھی نیچے دکھائی دیتے تھے۔ ایک طرف لق ودق صحرا تھا کچھ دیر چلنے کے بعد شراوک گاؤں نظر آنے لگا۔ مقررہ جگہ پر سرگڑی کو جانوروں کا کرایہ دیا۔ چناں چہ وہ بیل اور گائے کو ہانکتا ہوا واپس چلا اور یہ مجاہد مسافر کچھ سفر اور طے کر کے شراوک کی زمین میں اترے۔ پٹھانوں سے یہاں روٹیاں لیں، لیکن سالن بغیر، سالن کا یہاں رواج ہی نہ تھا۔ بھوک کی وجہ سے سالن بغیر روٹیوں نے خوب لطف دیا۔ رات کچھ آرام کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دن چڑھا تو دو اونٹ کرایہ پر لیے - چار میل کے فاصلے پر شراوک کی ایک مسجد تھی اس میں اترے - ایک سردے لے آیا، آپ نے فرمایا اسے ایک روپیہ دے دو، چناں چہ دے دیا گیا - دوسرا آیا، وہ بھی سردوں کا ایک بڑا بوجھ لے آیا، اسے بھی آپ کے حکم سے ایک روپیہ دے دیا - اسی طرح تیسرا بھی بھاگا آیا اور سردوں کے ساتھ تربوز بھی لے آیا، اسے بھی ایک روپیہ دے دیا - آخر ایک خان آیا اس نے انھیں روک دیا - کئی مرد، عورتیں اور بچے جمع ہو گئے - ایک دوسرے سے کہتے "ہندوستان کے مولوی آئے ہیں - " خان نے کہا " مولوی دولت مند کہاں ہوتے ہیں، یہ تو شاہی خاندان کے محمدزئی ہیں - امیر عبدالرحمن نے انھیں افغانستان سے نکال دیا تھا - اب امیر حبیب اللہ نے انھیں آنے کی اجازت دے دی ہو گی - پہلے بھی بعض آدمی اسی طرح آئے تھے - " چناں چہ سب مرد عورتیں کچھ ڈر گئے - آپ نے وعدہ کے مطابق اختر بدرقہ کو ایک گنی دی اس کی قیمت بائیس روپے تھی - اس بات سے سارے گاؤں میں خوب چرچا ہوا کہ یہ تو واقعی شاہی خاندان کے افراد ہیں - ایک دن خان نے آپ کو کھانے کی دعوت دی - آپ نے کھانا کھانے کے بعد آئندہ دعوت سے منع فرمایا اور کہا " جو کچھ ہم مانگیں وہ مہیا کر دیا کریں " اس نے کہا بہت اچھا - دو دن ٹھہرنے کے بعد خان سے کہا کہ " حاکم کو آدمی بھیجو کہ ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں - " حاکم اس وقت شراوک سے بارہ میل کے فاصلے پر سمندخان پٹھان کے علاقے میں اترا ہوا تھا - یہ علاقہ نوشکی سے کچھ فاصلے پر ہے اور امیر صاحب کے ماتحت ہے -

عبدالرحمن خورد ونوش کی چیزیں بازار سے لایا کرتا تھا - دکانوں پر عورتیں سودا سلف بیچتی ہیں - مرد انھیں باہر سے لا کر دے دیتے ہیں -

عبدالرحمن کو کسی چیز کی ضرورت تھی لیکن ان کی زبان میں اس کا نام نہیں جانتا تھا - ہنوڑا کر ہاتھوں سے اشارے کرتا - بڑی بوڑھی عورت دکان پر نہ تھی - بچیاں بیٹھی تھیں، کچھ نہ سمجھتی تھیں ...... یہ کبھی کان بناتا کبھی سینگوں کی علامت بتاتا - لڑکیاں تھیں کہ جمع ہو ہو کر ہنستی تھیں اور لوٹن کبوتر بنی جاتی تھیں - آخر ایک بڑی عورت کو بلا لائی، وہ سمجھ گئی اور کہا - " نمرٹی نہ " اس نے یونہی کہا " ہاں " کہ کچھ بھی لائیں گی کوئی چیز تو ہو گی، لے لوں گا - وہ گھی لے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئی اس نے کہا " ہاں یہی " اس سے برتن مانگا اور اس میں ڈال کر لے آیا ۔ عورت بچیوں کو ڈانٹنے لگی کہ وہ تو بکری بنتا تھا تم سمجھ ہی نہ سکیں ۔

آپ کو اس امر کا علم ہوا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع کیا کہ اس طرح کام میں خلل واقع ہوتا ہے ۔ پانچویں روز حاکم کا ملازم آیا کہ چلیں آپ کو یاد فرمایا ہے ۔ حاکم کے اوپر ایک قاضی ہوتا ہے جو اس سے اعلیٰ کہلاتا ہے ۔ حاکم کی تنخواہ ایک سو روپیہ تھی اور قاضی کی ایک سو دس روپے تھی ۔ نائب الحکومت یعنی گورنر تک یہی دستور ہوتا اس پر بھی ایک قاضی مقرر ہوتا ہے ۔

آپ سوار ہو کر حاکم کے پاس پہنچے ۔ وہاں قاضی سے بھی تعارف ہوا اس نے چند ایسے مسائل دریافت کیے جس کے متعلق اسے خیال تھا کہ افغانستان میں انھیں کوئی حل نہیں کر سکتا ۔ وہ خود ایک دیو بندی عالم کا شاگرد تھا ۔ آپ نے ان مسائل کو نہایت آسانی سے حل کر دیا ۔ ایک مسئلہ زمین کے متعلق تھا ۔ وہاں قاعدہ تھا کہ جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا اور وہ ایک خاص عمر کو پہنچتا تو اس علاقے کی زمین سے ایک حصہ اس کے نام مقرر ہو جاتا ہے ، وہ ساری عمر اس سے فائدہ اٹھاتا ۔ فوت ہو جاتا تو پھر اسے سب میں تقسیم کر دیا جاتا ۔ آپ کو تاریخ افغانستان کے مطالعہ سے معلوم تھا کہ یہ لوگ فتح محمد بھڑائچ کی نسل سے ہیں اور اس علاقے میں یہ رواج تھا ۔ شاید اس نے یہ زمین وقف علی الاولاد کر رکھی تھی ۔ قاضی سمجھ دار تھا فوراً سمجھ گیا ۔

مولانا عبداللہ لغاری کے ہاتھ میں نہایت اچھی تسبیح اور ایک قیمتی رومال تھا ۔ قاضی تسبیح کی طرف بار بار دیکھتا تھا ، آپ نے دینے کا اشارہ کیا تو لغاری صاحب نے فوراً وہ تسبیح قاضی صاحب کو تحفے کے طور پر دے دی ۔ آپ نے خود بھی خفیہ طور پر قاضی سے اچھا سلوک کیا ، حاکم کا خیال تھا کہ یہ لوگ خلافِ قانون بغیر پاسپورٹ افغانستان میں داخل ہوئے ہیں ، لہذا انھیں گرفتار کر کے قندھار بھیج دیا جائے ۔ لیکن قاضی صاب نے اسے اس بات سے منع کیا اور کہا انھیں عنایت اللہ خان نے بلایا ہے ۔ قندھار کا گورنر آپ سے ناراض ہے ، اگر اس نے آپ کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا تو یہ سفارش کر کے پھر کوئی عہدہ دلوا دیں گے ۔ ان کے ساتھ اچھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلوک سے پیش آؤ، (چناں چہ ایسا ہی ہوا - یہ برطرف ہو کر کابل پہنچا اور آپ کی سفارش سے بحال ہوا) ان کی عزت کرو - ان کے ہاں مہمان کی بڑی عزت یہ ہے کہ اس کے لیے اتن مارا جاتا ہے - اتن ایک قسم کا کھیل ہے جس میں تلواروں اور ڈنڈوں سے کھیلتے ہیں - آپ کا خیال ہے کہ اتن شاید عربی لفظ عطن ہے، جس کے معنی ہیں اٹھنا بیٹھنا - حدیث میں حضرت عمرؓ کی تعریف میں "حتی ضرب الناس بعطن" آیا ہے -

حاکم نے گردونواح کے علما کو جمع کیا اور کہا ہندوستانی معزز مہمان مولوی صاحبان آئے ہیں، ان کی عزت کرتے ہوئے اتن ماریں - پٹھان علمانے اپنی عادت کے مطابق آتے ہی پہلے تو مسئلے دریافت کرنے شروع کر دیے - کچھ مولانا عبداللہ لغاری کے گرد بھی جمع ہو گئے - لیکن سب سے بڑے پٹھان عالم نے جب آپ سے مسئلے پوچھنے شروع کیے تو سب ادھر ہی سننے میں مصروف ہو گئے - آپ کے سامنے یہ مسئلے روزمرہ کی معمولی باتیں تھیں، چناں چہ آپ نے بہنایت عمدگی سے انھیں مطمئن کر دیا - سب حاکم سے کہنے لگے یہ تو بہت بڑا مولوی ہے - آپ نے علما سے مخاطب ہو کر کہا - "ماہم از چیزے بپرسیم؟" انھوں نے کہا "بلے بپرسید" آپ نے فرمایا "ایں آیت چہ معنی دارد؟ جَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ -" وہ کہنے لگے "ہمیں کہ جہاد بکنید" فرمایا "ایں حق جہادہ چیست؟" وہ بولے "روزہ داریم، شب خیزی کنیم وکم خوریم -" فرمایا کہ لا رهبانية في الاسلام - اب وہ خاموش ہو گئے - تھوڑی دیر بعد کہنے لگے "آغا شما بفرمائید" سب علما آپ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا "معنی حَقَّ جِهَادِهٖ ایں است، هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ...." اس پر تو سب مرد ہنسنے لگے اور وجد میں آکر بار بار کہتے "آغا معنی خوب کشیدی، خوب کشیدی، معنی خوب کشیدی" ان علمانے منطق وغیرہ کے متعلق جو مسئلے دریافت کیے تھے، ان کے جوابات سے بھی وہ عش عش کر اٹھے تھے - پٹھان عالموں میں سے ایک حاکم سے کہنے لگا کہ ساری دنیا میں اتنا بڑا کوئی عالم نہ ہوگا -

شام کی نماز سے فارغ ہوئے تو "اتن" شروع ہوا - ایک شخص نے صور پھونکا - علما کے ساتھ سب نے حلقہ باندھا - آپ اور آپ کے ساتھی حاکم کے ساتھ چارپائیوں پر بیٹھ گئے -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگ حلقے میں چکر لگاتے اور اٹھتے، بیٹھتے، کچھ گاتے، کچھ تھرکتے اور وجد میں آتے ۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو سب نے آپ کو مبارک باد دی اور کہا "ہم نے آپ کے اعزاز میں اتن لگایا ہے اس سے زیادہ ہمارے ہاں مہمان کی عزت کے لیے اور کچھ نہیں ۔" آپ نے شکریہ ادا کیا۔

دوسرے دن قاضی نے قندھار کے گورنر سردار محمد یونس خان جو سردار اعتماد الدولہ عبدالقدوس خان کے چھوٹے بھائی تھے، کی طرف خط وغیرہ لکھے ۔ ان میں آپ کی بہت تعریف کی اور یہ بھی درج کیا کہ عنایت اللہ خان نے انھیں بلایا ہے ۔ راہداری بھی تیار کی اور حاکم کے دستخط وغیرہ کرائے ۔ دو سپاہی حفاظت کے لیے ہمراہ گئے ۔ روانگی کے وقت کہا، راستے میں تو کوئی تکلیف نہ ہو گی لیکن قندھار میں جاکر گرفتار نہ ہو جائیں ۔ آپ نے فرمایا "وہاں کے لیے علاج ہے ۔" کہا "وہاں کوئی بڑا آدمی واقف ہو تو اس کے ہاں ٹھہریں ۔" آپ نے فرمایا، ایک صوفی جان محمد واقف ہیں اور دوسرے ملا محمد حسن ہیں اور تیسرے فقیر جان صاحب ہیں ۔ قاضی صاحب نے کہا یہ پہلے صاحب صوفی جان محمد تو قندھار کے گورنر، جنرل نادر خان، ولی خان اور ہاشم خان، ان سب کے مرشد ہیں ۔ یہ کسی کی ملاقات کے لیے نہیں جاتے، بلکہ گورنر خود ان کی ملاقات کے لیے آتا ہے ۔ یہ وہی صوفی صاحب ہیں جو ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو حضرت مولانا شیخ الہند ملاقات کرانے کے لیے انھیں آپ کے کمرے میں لائے تھے اور تعارف کرایا تھا۔ آپ اس وقت جمعیت الانصار کے ناظم تھے ۔ آپ نے کچھ زیادہ توجہ نہ کی، خیال کیا کہ کوئی پٹھان ہے، یونہی دیوبند کا مدرسہ دیکھنے کے لیے آیا ہے ۔ جب آپ امروٹ ضلع سکھر میں رہتے تھے تو یہ مولانا تاج محمودؒ کے خاص دوستوں میں سے تھے ۔ قاضی صاحب نے کہا یہ بڑا آدمی ہے ۔ اس کے ہاں گورنر آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔

دوسرے ملا محمد حسن، یہ حضرت صاحب بھرچونڈی کے پاس آیا کرتے تھے، وہاں آپ سے ملاقات ہوتی تھی، ایک دو مرتبہ امروٹ میں بھی ملے تھے ۔ بڑے عابد اور زاہد ہیں ۔

تیسرے صاحب فقیر جان سرہندی، یہ سندھ میں رہتے تھے ۔ ایوب خان کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے، آخر حبیب اللہ نے واپس افغانستان بلا لیا ۔ یہ بھی سندھ میں آپ کے دوست تھے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو اونٹ کرائے پر لیے گئے۔ ایک پر مولانا لغاری اور فتح محمد سوار ہوئے دوسرے پر آپ سوار ہوئے آپ کا اونٹ نیا نیا سواری میں لایا گیا تھا، کچھ دور گیا تو اچھلنے کودنے لگا۔ آپ اس سے گر پڑے، لیکن سیدھے آ نیچے کھڑے ہوئے، کوئی چوٹ نہ آئی۔ مولانا لغاری نے کہا ہمارے ساتھ اس اونٹ کو بدل لیں لیکن آپ نے انکار کیا اور پھر اسی پر سوار ہو گئے۔ تھوڑی دور جاکر دوبارہ جو گرے تو سر میں چوٹ آئی۔ گھٹنے اور کہنیاں زخمی ہو گئے۔ فرمانے لگے "جب سر میں چوٹ آئی تو ایک نور دکھائی دیا" مولانا لغاری نے کہا "مجمع النورین پر چوٹ آئی ہے"۔ اگلے پڑاؤ پر پہنچ کر دوا وغیرہ لگائی گئی۔ دو دن آرام کیا دونوں اونٹ بدل لیے اور چل دیے۔ منزل آئی نہایت پر فضا، گرمی کے موسم میں عموماً پٹھان یہاں سیر و تفریح کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ حاکم کو معلوم تھا کہ پچھلی منزل میں ان کی بہت آؤ بھگت ہوئی وہ خود ملا بھی تھا اور کھاتا پیتا آدمی تھا۔ چناں چہ اس نے بڑی عزت سے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ دوسری صبح روانہ ہوئے۔

سارا دن چلتے رہے۔ ایک مسافر خانہ آیا، اس میں رات گزاری۔ یہاں سے چمن پہنچنے کے لیے ایک بڑا راستہ ہے ایک چھوٹا۔ اگر افغان علاقے سے تین دن میں پہنچتے ہیں تو انگریزی علاقے سے ایک دن سے بھی کم وقت صرف ہوتا ہے۔ لیکن گرفتاری کے خوف سے لمبا راستہ اختیار کیا گیا۔ جنگل میں ایک جگہ ایک اونٹ تھک گیا آپ نے اونٹ والے کو پورا کرایہ دے کر اسے واپس کر دیا۔ ساتھیوں نے اپنے اونٹ پر آپ کو سوار کیا۔ منزل کافی دور تھی۔ کچھ دور جاکر ساتھی تھک گئے۔ آپ نے ٹھہر جانے کی اجازت دی، ہمراہی پولیس افسر نے کچھ روپے مانگے۔ آپ کا معمول تھا کہ پولیس افسر کو ہر سرائے پر دو روپے اور سپاہی کو ایک روپیہ دیتے۔ ایک کلدار روپے کے دو افغانی روپے ملتے تھے۔ آپ نے اسی طرح یہاں بھی روپے دے دیے۔ سرحد کے بالکل ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ایک لڑکا جانور چرا رہا تھا ایک سپاہی نے ریوڑ سے ایک دنبہ چرایا اور چلتا بنا۔ آپ نے چرواہے سے پوچھا "آغا این ملک از انگلیس است وا این از امیر صاحب؟" نوجوان نے انگریز کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہوئے کہا "بگو این ملک از کفار است وا این از امیر صاحب"۔ منزل کافی فاصلے پر تھی سب چور ہو کر وہاں پہنچے۔ سپاہیوں نے دنبہ ذبح کیا اور کسی اور کو اس کا گوشت نہ دیا۔ وجہ دریافت کی تو کہا "این

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال حرام بود شما دو ماں عالم ہستید ہمیں وجہ شمار ایچ نہ دادیم" آپ کے ساتھیوں نے مرغیاں خرید کر پکائیں ۔ وہاں سے چل کر تیسرے دن چمن میں پہنچے ۔ کیا دیکھتے ہیں کہ راستے میں محمد علی (برادر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ) کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں" بیائید بیائید ۔ آپ کی ان سے ملاقات کرائیں" مولانا لغاری نے پوچھا" یہ کون ہیں؟" کہا" انگریز سے جب جنگ چھڑتی ہے تو وہ سات سو سپاہیوں پر افسر ہوتے ہیں" دیکھا تو اس وقت گھاس بیچ رہا تھا ۔ اس کا نام محمد خان تھا ۔

محمد خان ایک سمجھ دار آدمی تھا ۔ دیانتدار اتنا کہ ایک دفعہ ایک انگریز اس کی حد میں آ گیا ۔ اسے گرفتار کر لیا ۔ انگریزوں نے بہتیرا روپیہ پیش کیا لیکن نہ لیا اور کابل کے دربار میں بھیج دیا ۔ وہاں سے وہ رہا ہو گیا ۔ سرکاری طور پر اس کی بڑی عزت تھی ۔ اس سے باتیں ہوئیں تو یہ آپ کی سیاست اور علمیت کا قائل ہو گیا اور بہت عزت کی ۔ وہاں سے چلے تو راستے میں ایک مسجد آئی، امام مسجد بڑے تپاک سے ملا ۔ اپنا کھانا جو تیار تھا، اسے دیا ۔ قندھار یہاں سے چار میل ہے ۔ مشورہ کرنے لگے کہ قندھار میں کس کے ہاں اتریں ۔ آپ کی رائے تھی کہ فقیر جان محمد سندھی بھی دوست ہیں، ان کے ہاں ٹھہریں ۔ لیکن مولانا عبداللہ لغاری اس کے خلاف تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ آخر وہ سندھی ہے، ہمارے سامنے معمولی درجے سے بڑا ہوا، بظاہر خوش اخلاقی سے پیش آئے گا ۔ اندرونی طور پر ہمیں وہابی بتائے گا اور ہمارا کام خراب کرے گا ۔ آپ نے جب دوبارہ فرمایا ۔ اس کے ہاں اتریں گے تو مولانا لغاری نے کہا" میں تو اس کے یہاں ہرگز نہ جاؤں گا ۔" اس پر آپ نے فرمایا کہ کوئٹہ سے روانہ ہوتے وقت ہمیں امیر بنایا گیا تھا ۔ اب تم امیر بنو اور ہم مامور بنتے ہیں، اگر کوئی تکلیف ہوئی تو تم اس کے ذمہ دار ہو گے ۔ مولانا لغاری نے اس بات کو قبول کر لیا اور فیصلہ دیا کہ ملا محمد حسن کے ہاں اتریں گے ۔ پولیس افسر نے پانچ روپے طلب کیے ۔ آپ نے فرمایا" اسے دس روپے دے دیں" سپاہی نے بھی پیسے مانگے تو فرمایا" اسے پانچ روپے دے دیں" چناں چہ دے دیے گئے ۔ انھوں نے عمر بھر اتنی رقم نہ دیکھی تھی، بہت خوش ہوئے ۔

صبح قندھار شہر کے دروازے پر پہنچے تو دربانوں نے روک لیا کہ" ہندی ہیں ٹھہر جائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سپاہیوں سے کہا گیا کہ " ملا محمد حسن " کے ہاں جانا ہے ۔ دربانوں نے بہت روکا ، لیکن انھوں نے ایک نہ سنی ڈانٹ ڈپٹ کر ہٹا دیا ۔

ورودِ قندھار

آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو شہر میں داخل کر دیا ۔ ایک مسجد میں گئے تو ملا محمد حسن وہیں مل گئے ۔ بہایت خندہ پیشانی سے ملے ۔ اس وقت ان کے پاس چند افغان بیٹھے تھے ، ان سے مخاطب ہو کر بولے " امروز شمارا گفتہ بودم کہ دو مردم مے آیند و افغانستان را آزاد خواہند کرد ایشاں ہمیں مردم اند " وہ افغان بہت متاثر ہوئے پھر آپ سے ملا صاحب کہنے لگے " یکے دوست است بسیار نیک نامش محمد حسین مستوفی است سوداگر چرم است در سراچہ مے مانند آنجا برویم " ۔ چناں چہ آپ کو لے کر ان کے ہاں گئے ۔ وہ بہت مہمان نواز ثابت ہوئے ۔ کراچی میں تجارت کرتے تھے آپ کا قیام وہیں رہا ۔ ملا محمد حسن بھی ہر روز سورج نکلنے پر وہاں آ جاتے اور عشا کے وقت جاتے ، جو صاحب انھیں ملنے کو آتے وہ مسجد سے ہو کر یہاں آ جاتے ۔ ایک دفعہ نائب الحکومت و گورنر ملا صاحب سے ملنے کے لیے مسجد میں گئے ، ملا صاحب کو معلوم ہوا تو آپ کو ساتھ لے کر مسجد میں آ گئے ۔ بہایت اچھے الفاظ میں گورنر سے تعارف کرایا کہ دہلی کے عالم ہیں اور سندھ میں بھرچونڈی شریف کے بزرگوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ گورنر نے چند مختلف مسئلے دریافت کیے ، آپ نے بہایت آسانی سے سمجھا دیے ۔ پھر کچھ تصوف کے مسئلے پوچھے جو ان کے ہاں لاینحل تھے ، آپ نے وہ بھی بغیر دقت کے حل کر دیے ۔ اس سے گورنر اور ملا صاحب پر آپ کی علمیت کا سکہ بیٹھ گیا ۔

چند دن کے بعد صوفی جان محمد کی ملاقات کو گئے ۔ ان کے ہاں پہنچے تو وہ بغل گیر ہونے کے بعد بڑی عزت سے پیش آئے ۔ ان کے ہاں چند عالم بیٹھے تھے ، ان کے سامنے آپ کی بہت تعریف کی گئی ۔ دوسرے دن خود صوفی صاحب آپ کی ملاقات کے لیے گئے ۔ اب تو یہ شہر میں خوب چرچا ہوا کہ یہ کون شخص ہیں ، جنھیں صوفی صاحب ملنے کے لیے گئے ۔ صوفی صاحب تو کسی کو ملنے کے لیے نہ جاتے تھے ۔ اب بڑے بڑے عالم بھی آنے لگے ۔ چناں چہ سارا دن لوگوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تانتا بندھار ہتا۔ آپ خوش تھے کہ فقیر جان محمد کے ہاں نہ اترے۔

صوفی صاحب اور ملا صاحب نے تجویز پیش کی کہ کسی دن گورنر سے ملنے کے لیے چلیں۔ چناں چہ ایک دن آپ کو لے کر گئے تو وہ دربار میں مصروف تھے۔ سب کام چھوڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ دیر تک بعض علمی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ اگرچہ آپ کا شغل مثنوی مولانا روم سے بہت کم رہا، لیکن اس کے متعلق باتیں ہوئیں تو خدا کے فضل سے اس امتحان میں بھی آپ کامیاب رہے۔ چناں چہ گورنر اتنا متاثر ہوا کہ اس کے بعد آپ کی ملاقات کے لیے محمد حسن مستوفی کے ہاں گیا۔ اب تو لوگ آپ کو بہت قدر کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

قندھار سے روانگی

قندھار سے روانہ ہونے کے لیے تیاری شروع ہوئی۔ گورنر نے کابل تک کے لیے کئی خط اپنے قلم سے لکھ کر دیے کہ شاہی مہمان ہیں، ان کا احترام کیا جائے۔ تین گھوڑے، ایک آپ کی سواری کے لیے، ایک مولانا عبداللہ لغاری کے لیے اور ایک سامان کے لیے دیے گئے ایک گھوڑا اور آپ نے کرایہ پر لیا۔ سردی شروع ہو چکی تھی، لہذا صوفی صاحب اور ملا صاحب نے کپڑے اور بستر وغیرہ کا پورا انتظام کر دیا۔ عزیز محمد علی اور فتح محمد بھی ساتھ تھے۔ ایک دن روانہ ہونے کے لیے چاروں شہر سے باہر نکلے۔ شہر کے رؤسا، امرا و علما آپ کو الوداع کہنے کے لیے شہر سے باہر آئے، بہت عزت سے رخصت کیا۔

پہلی منزل پر پہنچ کر مولانا لغاری نے مرغیاں خریدیں اور فتح محمد سے پکانے کے لیے کہا آپ کو معلوم ہوا تو آپ کچھ ناراض ہو کر فرمانے لگے "اب ہم پٹھان ہیں احتیاط سے خرچ کرو" آپ دوسروں کو دلوانے کے لیے پہلے کی طرح حاتم تھے۔ چھ پیسے فی گھوڑا اور چار پیسے فی آدمی سرائے کا کرایہ دے کر رات گزاری۔ صبح کو چلے تو دوسری رباط کا نام "قلات غلزئی" تھا، شام کو وہاں پہنچے۔ روٹی خریدی اور ہوٹل سے سالن منگوا کر کھانا کھایا۔ سرائے سے باہر ایک دنبہ ذبح کیا جا رہا تھا۔ مولانا لغاری نے ایک ران خریدی اور ہوٹل سے اس کے کباب بنوائے۔ فتح محمد سے کہا گیا کہ "آپ کو اس کی اطلاع نہ دی جائے" آدھی رات کو قافلہ چلا۔ دریا کے کنارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کنارے دور تک چلتے رہے ۔ قافلے میں چند فوجی تھے جن سے قندھار سے روانگی کے وقت کہہ دیا گیا تھا کہ یہ سرکاری مہمان ہیں، ان کی حفاظت کا خیال رکھا جائے ۔ سورج نکلا تو قافلہ ٹھہر گیا ۔ دریا کے پانی سے چائے تیار کی گئی ۔ چائے اور روٹی آپ کے سامنے پیش کی گئی ۔ تھوڑی دور پر مولانا لغاری، محمد علی اور فتح محمد کے ساتھ کباب سامنے رکھ کر کھانا کھانے لگے ۔ آپ نے دیکھا تو مسکرائے ۔ مولانا لغاری بولے " یہ آپ کے لیے نہیں، آپ تو اب احتیاط سے کھانا کھائیں گے ۔ " آپ پھر مسکرادیے ۔ آخر مل کر سب نے کباب کے ساتھ ناشتہ کیا ۔ قلات سے اگلی رباط میں پہنچے تو عزیز محمد علی بیمار ہو گئے، نوجوان تھے ۔ قندھار سے چلے تو انھوں نے خوب گھوڑا دوڑایا، کبھی آگے، کبھی پیچھے کوداتے پھرتے تھے جس کا نتیجہ نکلا کہ پیٹھ زخمی ہو گئی ۔ بولے یہاں ٹھہر جائیں، میں تندرست ہوں گا تو چلیں گے ۔ دو تین میل " مکر " شہر رہ گیا تو وہ گھوڑے سے اتر کر سو گئے ۔ آپ ناراض ہو کر آگے بڑھ گئے ۔ مولانا لغاری نے محمد علی کو راضی کیا اور " مکر " رباط کے بعد غزنی شہر تھا ۔

غزنی میں تین دن ٹھہرنے کا فیصلہ ہوا تاکہ گھوڑے آرام کر لیں ۔ یہاں دریا کے کنارے چند قبروں کے نشان تھے ۔ ایک قبہ بھی نظر آیا یہ قبہ " حکیم سنائی " کا بتایا گیا اور ایک قبر شیخ عطار کی بتائی گئی ۔ اور بھی بلند پایہ شاعروں وغیرہ کی قبروں کے نشان موجود تھے ۔ ان کھنڈروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ کسی زمانے میں عجیب عمارتیں تھیں ۔ جنھیں ہلاکو خان نے تباہ و برباد کر دیا تھا ۔ آپ نے دو نفل پڑھے، پھر سلطان محمود شہر کی طرف گئے ۔ یہاں سلطان کا مقبرہ ہے ۔ ارد گرد دور تک مزار ہیں ۔ ہندی نقش و نگار کا کام بھی خوب کیا گیا ہے ۔ ایک مسجد کے متعلق سنا تھا کہ اسے " عروس فلک " کہتے ہیں اور فرشتہ مؤرخ نے اس کی نسبت لکھا تھا کہ " روندگان ربع مسکوں مثلش رانشاں نداده اند " لیکن اس کا سراغ نہ ملا ۔

یہاں ایک لڑکا ملا، اس کے پاس گدھا تھا ۔ مولانا لغاری نے لڑکے سے کہا، یہ گدھا کرایہ پر ہے ؟ اس نے کہا " قران بگیرم " اس پر اس سے لے لیا اور آپ کو اس پر سوار کیا ۔ اس سے کہا کوئی شعر جانتے ہو تو سناؤ ۔ کہا، صرف ایک شعر یاد ہے اور وہ یہ ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دریں صحرا کہ می بینی سراسر خیمہء لیلیٰ است !!!
دو صد مجنوں سرگرداں دریں ریگ رواں گم شد

شعر سنتے ہی آپ پر خاص کیفیت طاری ہوئی۔ چناں چہ بے ہوش سے ہوگئے اور گدھے سے گرنے لگے، روئے اور خوب روئے۔ فرمایا یہ قبریں لیلیٰ کے خیمے ہیں، بڑے بڑے بادشاہ یہاں گم ہوگئے۔ گدھے والے لڑکے کو اس کا گدھا دے کر روانہ کر دیا اور خود وضو کر کے دیر تک مراقبے میں بیٹھے رہے۔ مزار پر امیر حبیب اللہ نے قبہ بنوا کر لکھایا ہوا ہے کہ " از مال خود نہ از بیت المال بریں خرچ شدہ است۔ " واپس ہوئے تو ایک پہاڑی پر ایک چار دیواری دکھائی دی۔ چار مینار اور قبہ موجود ہے۔ اس پر بھی امیر حبیب اللہ نے وہی عبارت لکھوائی ہوئی ہے۔ یہ سلطان سبکتگین کا مزار ہے۔ یہاں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ یہاں یہ پتھر ملا، قبر کا نشان نہیں ملا۔

یہاں " چار پیسے " کے انگور خریدے۔ انگور والے نے بہت سے انگور تولے تو مولانا لغاری نے کہا " بابا چہ می کنی "۔ بولا " کم نہ دہم " ان کا مطلب تھا کہ زیادہ دے رہے ہو وہ سمجھا کہ کم دے رہا ہوں۔

تیسرے روز کوچ تھا۔ آپ نے سردار محمود طرزی کو خط لکھا کہ ہم آرہے ہیں۔ عنایت اللہ اور امان اللہ خان سے سلام کہیے۔ دوسرا خط مولوی شیخ ابراہیمؒ ایم اے از کراچی کو لکھا۔

آپ کا کابل میں ورود

غزنی سے روانہ ہو کر منزل بمنزل کابل پہنچے۔ قندھار کے گورنر کا خط دکھایا تو داخل ہونے کی اجازت ملی۔ ایک مکان کرایہ پر لیا سب سامان اس میں رکھا۔ آپ شیخ ابراہیم کو ملنے گئے۔ دوسرے دن واپس آئے یہ مکان کچھ خراب تھا، لہذا دوسرے مکان کی تلاش میں نکلے۔ معلوم ہوا کہ علیا حضرت والدہء امیر امان اللہ خان کی مسجد کے پاس ایک مکان ہے وہاں گئے پوچھا " ایں جا مکان برائے کرایہ ہست ؟ " ایک شخص نے کہا " بلے مفت است " آپ کو ایک پاخانے میں داخل کر دیا۔ مولانا لغاری نے ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا تو بولا " ایں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکان نیست ایں کو تھا است کو تھا۔ ایں برائے کرایہ است" ۔ چار روپے میں وہ مکان کرایہ پر لے لیا۔

قندھار میں جو ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی وہ یہاں نہیں ملتی ۔ چناں چہ آپ شیخ ابراہیم کے ہاں کھانا کھاتے اور آپ کے رفقا سامان بیچ کر گزارا کرتے ۔ چار پانچ دن گزر گئے تو سردار محمود طرازی نے شیخ ابراہیم سے پوچھا" مولانا عبید اللہ کابل میں ابھی آئے ہیں یا نہیں؟ انھوں نے کہا آچکے ہیں ۔ بولے " ملاقات میکنیم ۔" چناں چہ سردار عبدالہادی خان کو خوش آمدید کہنے کے لیے بھیجا، ان کے ذریعے سردار سے ملاقات ہوئی ۔ ترکی کے شریکِ جنگ ہونے کا ان پر بہت زیادہ اثر تھا، اس لیے آپ کا رابطہ ان سے زیادہ ہوتا گیا۔ انھوں نے آپ کی ملاقات معین السلطنت امیر امان اللہ سے کرائی ۔ چناں چہ انھوں نے بھی ایک دن سردار صاحب کی معیت میں آپ کو کھانے پر بلایا ۔ اس کھانے کے بعد آپ نے پورا ایک دن چھری کانٹے استعمال کرنے کی مشق میں صرف کیا، پھر بے تکلف دعوتوں میں شریک ہوتے رہے ۔ ایک دن باتوں باتوں میں سیاسی بحث چھڑ گئی ۔ امان اللہ خان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ہندوستان کو بیچنے کے لیے آئے ہیں ۔ آپ نے انھیں ڈانٹ کر کہا کہ ہم اس خیال سے نہیں آئے ، ہم تو برادرانہ طور پر آئے ہیں ۔ دوسری ملاقات میں عنایت اللہ خان سے بھی باتیں ہوئیں ، وہ بہت خاطر مدارات سے پیش آئے ۔ اس سے آپ کا ذکر سلطنت کے دیگر سرداروں میں پہنچ گیا۔

سردار جنرل نادر خاں سپہ سالار اور ان کا خاندان مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید ہیں ۔ قندھار میں صوفی جان محمد نے آپ کو ایک کرچ دی تھی، جو انھیں جنرل نادر خان نے پیش کی تھی اور کہا تھا کہ ان سے ملنے جائیں تو یہ کرچ لگا کر جائیں ۔ یہ بہت قیمتی تھی اس کا میان اور دستہ دونوں سیپ کے تھے ۔ جنرل نادر خان کی ملاقات کے وقت آپ یہ لگا کر گئے ۔ وہ بہت محبت سے ملے ، آپ کو ہر طرح کی امداد کا یقین دلایا ۔ آپ کے قیام کابل میں جو مشکلات سرکاری طور پر پیدا ہو سکتی ہیں ان کے زائل کرنے میں اپنی تمام توجہ مصروف رکھی ۔ احتیاط کا تقاضا بھی تھا کہ آپ بظاہر سردار سپہ سالار سے اجنبی بنے رہیں ۔ اس پر آپ نے عمل کیا ۔ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خاندان کا آپ کے دیگر مشائخ سے اخلاص رابطہ چلا آتا تھا، اس لیے ان کا ہر قول و فعل خاص واخلاص و محبت کی بنا پر تھا ۔ امیر حبیب اللہ کی حکومت اور ان کی اصلاحات کامیاب بنانے میں جنرل نادر خان اور ان کے خاندان کا خاص حصہ تھا ۔ یہ ہندوستانیوں کے واقعی محسن اور سرپرست تھے ، لہذا آپ ان کے بہت ممنون تھے ۔ انھوں نے کبھی احسان کا اظہار نہ کیا، نہ کبھی ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کی ۔ ہندوستانی معاشرے کے حامی تھے ۔ شرعیہ میزان التحقیقات قاضی عبدالرزاق خان سے ملاقات ہوئی ۔ سلطنت افغانیہ میں شرعی فیصلوں کی اپیل کا ایک محکمہ ہے جسے میزان التحقیقات الشرعیہ کہتے ہیں ۔ قاضی عبدالرزاق خان اس محکمے کے رئیس تھے ۔ یہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے ۔ انھوں نے حدیث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے پڑھی تھی ۔ ان کی ملاقات سے پرانے علمی دوستوں کی یاد تازہ ہوگئی ۔ آپ کے سفر کے متعلق تمام اطلاعات ان کے پاس موجود تھیں ۔ انھیں جب اچھی طرح اطمینان ہوگیا کہ آپ ہی کا نام عبیداللہ ہے تو بہت مسرور ہوئے اور آپ کے گرویدہ ہوگئے ۔ انھوں نے آپ کے مضامین دیوبند کے رسالہ "القاسم" میں پڑھے تھے جنھیں انھوں نے بہت پسند فرمایا تھا ۔ کہنے لگے کاش آپ کے مضامین "القاسم" میں مکمل ہو جاتے ۔

آپ کے رفقا کے کھانے کا انتظام اچھا نہ تھا ۔ کبھی آپ مدد کرتے اور کبھی وہ اسباب بیچتے ۔ انھی دنوں ایک ترک ڈاکٹر سے ملے اور انھی کے ذریعے آپ جرمن اور ترکی وفد سے ملے ، اسی وفد میں راجہ مہندر پرتاپ تھے ۔ اب تک امیر صاحب سے ملاقات نہ ہوئی تھی ۔

(باقی دارد)

© rasailojaraid.com